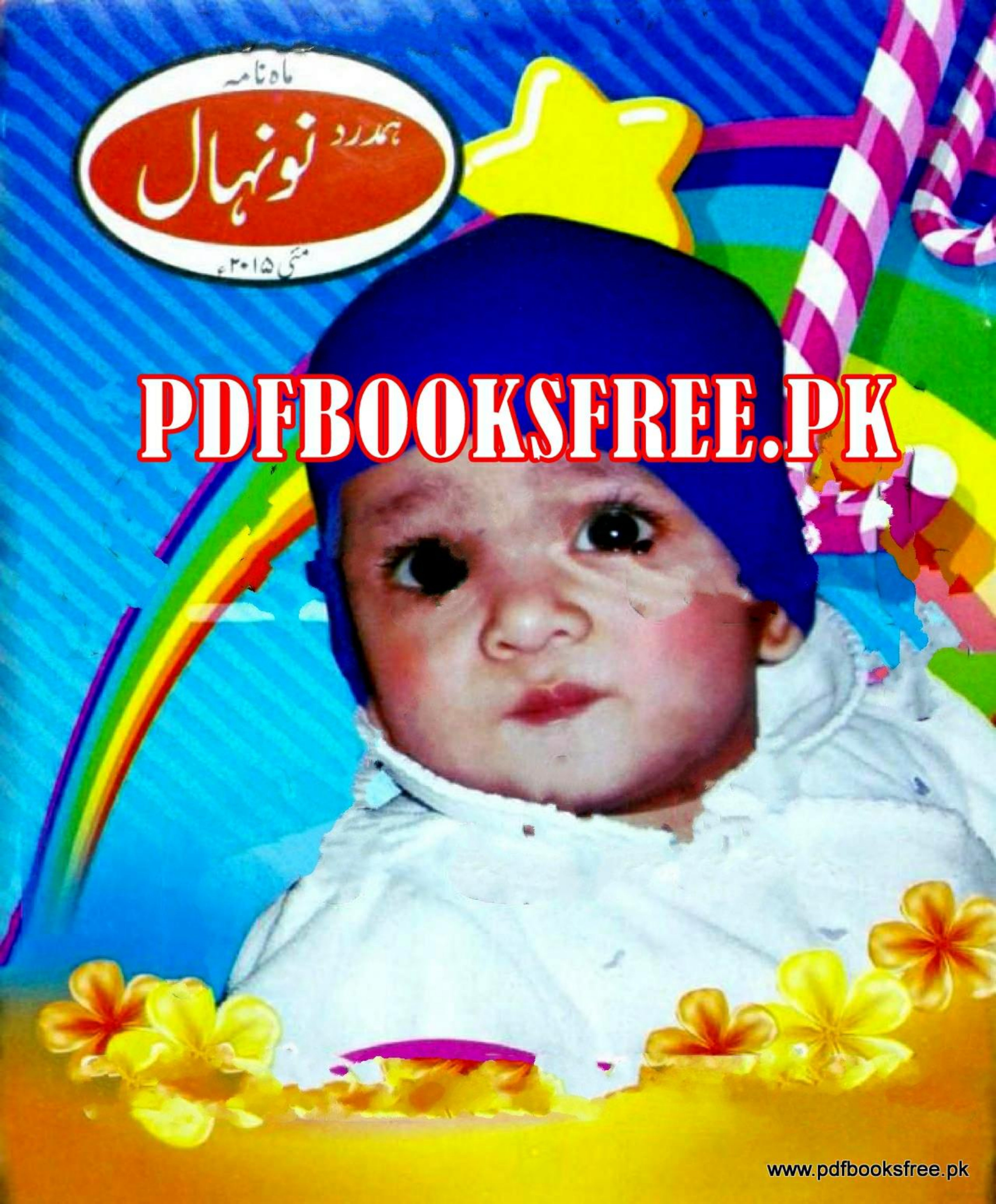


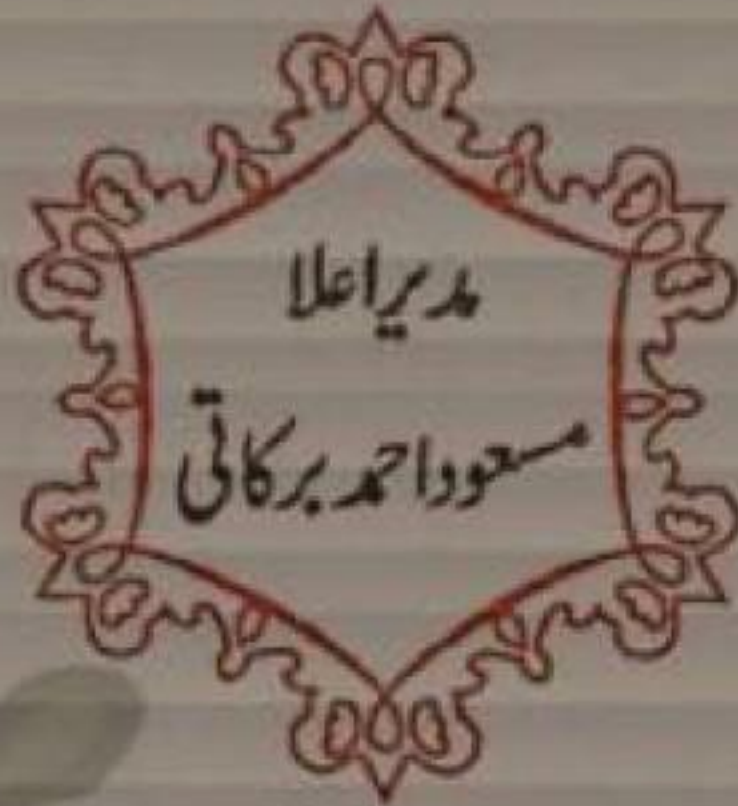


PDFBOOKSFREE.PK



یادگار : شہید پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۶۳ واں سال



رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

جلد ۶۳

شمارہ ۵

رجب المرجب ۱۴۳۶ ہجری

مئی ۲۰۱۵ عیسوی

قیمت عام شمارہ
۳۵ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ روپے

سالانہ (رجسٹرڈ سے)
۵۰۰ روپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
۳۴۰ روپے

سالانہ (فیر مالک سے)
۵۰ امریکی ڈالر

36620949 — 36620945

36616004 — 36616001

(066 یا 052 یا 054)

(92-021) 36611755

hfp@handardfoundation.org

www.handardfoundation.org

www.handardlabswaqf.org

www.hakimsaid.info

www.facebook.com/Handardfoundationpakistan

نیلے فون

ایکسٹینشن

میل بکس نمبر

ای میل

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (دقت)

ویب سائٹ ادارہ سعید

فیس بک

دفتر ہمدرد و نو نہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

”ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد و نو نہال کی قیمت صرف

بنک ڈرافٹ یا مئی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔“

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے اس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 02 59-3734

ہمدرد نونہال مئی ۲۰۱۵ عیسوی اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	۴	شہید حکیم محمد سعید
پہلی بات	۵	مسعود احمد برکاتی
روشن خیالات	۶	نغمے گلچیں
تم پر سلام ہردم (نظم)	۷	محمد مشتاق حسین قادری
ہوا سب سے پہلے	۱۱	ڈاکٹر سید اسلم
دادی اماں! کہانی سناؤ (نظم)	۱۳	شاہد حسین
درد مند درخت	۱۵	رہنمائی سیمول گل
نرائی سے بچنا (نظم)	۳۱	شمس القمر عاکف
کہانی لکھو یا لکھو (نظم)	۳۷	رفیع یوسفی محرم
معلومات ہی معلومات	۳۹	غلام حسین میمن
تصویر خانہ	۴۱	ادارہ
چوتھا سبب	۴۳	تحریم خاں
علم در پیچے	۵۳	نغمے نکتہ داں
شاہین بچہ	۵۸	حمیرا سید
بیت بازی	۶۳	خوش ذوق نونہال

آسیب زدہ قلبیٹ

انوار آس محمد

۲۱

ایک شخص کاراز معلوم کرنے کے بعد اس نے کیسے دھوکا دہی کی؟

خوب کام کرو

مسعود احمد برکاتی

۸

سستی دور کرنے اور کام کی اہمیت کے بارے میں ایک مفید تحریر

پھولوں کی شہزادی

نظارت نصر

۳۲

ایک لڑکی کی ہمت کی کہانی، جس نے ایک عجیب و غریب پودا اگایا تھا

ہمدرد نوںہال مئی ۲۰۱۵ء

دشمن

جاویداقبال

۷۱

وہ چوزوں کا دشمن تھا،
لیکن احسان فراموش نہیں تھا

نوہال اسمبلی ۶۳ حیات محمد بھٹی، سید علی بخاری

نوہال مصور ۶۷ ننھے آرٹسٹ

آئیے مصوری سیکھیں ۶۹ غزالہ امام

نوہال ادیب ۷۵ ننھے لکھنے والے

ہنسی کمر ۸۵ ننھے مزاح نگار

اونٹ - اللہ کی ایک نشانی ۸۸ زاہدہ حمید

مسکراتی لکیریں ۹۱

نوہال خبرنامہ ۱۰۱ سلیم فرخی

معلومات افزا ۲۳۳-۱۰۲ سلیم فرخی

انگلیوں کے نشان اور مجرم ۱۰۵ نسرین شاہین

آدھی ملاقات ۱۰۸ نوہال پڑھنے والے

جوابات معلومات افزا ۲۳۱-۱۱۳ ادارہ

انعامات بلا عنوان کہانی ۱۱۷ ادارہ

نوہال لغت ۱۲۰ ادارہ

کنجوس جوہری

مہروز اقبال

۹۳

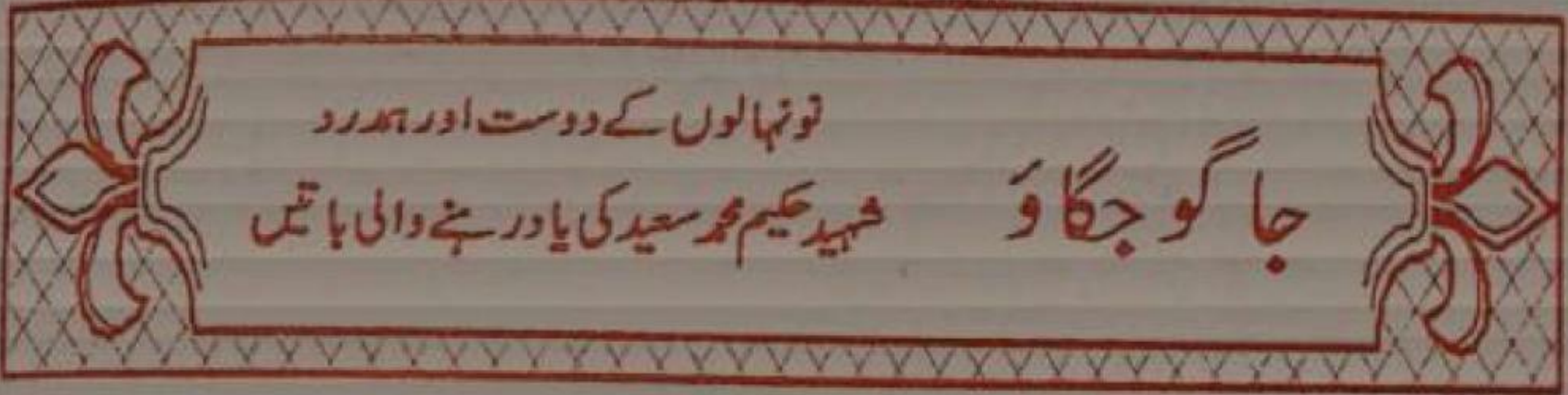
ایک دھوبی نے کسی طرح جوہری
کو بے وقوف بنا کر شرط جیت لی

بلا عنوان انعامی کہانی

محمد اقبال مس

۳۵

ایک معاشرتی کہانی کا عنوان
بتا کر ایک کتاب حاصل کیجیے



ہر شخص اپنی بھلائی کے لیے سوچتا ہے۔ دنیا میں ایسا کون انسان ہے جو اپنی بہتری اور ترقی نہ چاہتا ہو۔ اسی کو خواہش کہتے ہیں۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھے، اس کو سکون اور سہولتیں حاصل ہوں، لیکن پھر بھی ہر انسان یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ صرف خواہش رکھتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے عمل اور کوشش بھی کرتے ہیں اور یہی لوگ صحیح ہیں۔

خواہش اگر اچھی ہو اور سچی ہو تو پوری ہو جاتی ہے۔ سچی خواہش سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کام کو دل سے کرنا چاہے۔ جو کام انسان دل سے کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ خواہش، عمل اور جدوجہد کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ تم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو، لیکن اچھے نمبروں سے صرف وہی نوناہال کام یاب ہوتے ہیں جو دل لگا کر پڑھتے ہیں اور سبق یاد کرتے ہیں۔ جو نوناہال پڑھنے میں محنت نہیں کرتے وہ امتحان میں کام یاب نہیں ہوتے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محض خواہش سے کام نہیں چلتا۔ اگر صرف خواہش سے کام یابی ہو جاتی تو اب تک نہ جانے کتنے افیونی بادشاہ بن چکے ہوتے۔ یہ قول شیکسپیر اگر صرف خواہش ہی گھوڑا بن سکتی تو ہر شخص گھڑ سوار ہوتا۔

جس چیز کی خواہش ہو اس کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرو۔ عمل کے بغیر خواہش خوشی نہیں، رنج دیتی ہے۔

(ہمدرد نوناہال جولائی ۱۹۸۶ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں
تم نے پانچ نئے الفاظ نہ سیکھے ہوں۔

لیجیے مئی ۲۰۱۵ء کا شمار مطالعہ فرمائیے۔ ہمدرد نونہال کی تیاری و ترتیب میں جو محنت مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہوتی ہے، وہ دراصل ہمدرد نونہال پڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لیے نہ میں تھکتا ہوں، ”نہ ہی“ میرے ساتھی تھکتے ہیں۔ ارے میں کیا لکھ گیا؟ ”نہ ہی“ یہ تو بہت غلط ہے۔ صحیح اردو یہ ہے کہ ”نہ میں تھکتا ہوں، نہ میرے ساتھی تھکتے ہیں۔“ کچھ عرصے سے یہ غلط محاورہ بن گیا ہے۔ آئندہ آپ کو جب اس طرح کی کوئی بات لکھنی ہو تو ”نہ“ کے بعد ”ہی“ بالکل نہ لکھیں۔ اسی طرح اردو کے بعض الفاظ رائج ہو گئے ہیں، میں آئندہ بھی صحیح اردو کے محاورے لکھتا رہوں گا۔

خاص نمبر کی تیاری اور اس کو ”بہت خاص“ بنانے میں دن رات صرف ہو رہے ہیں۔ میں اپنی صحت کی کم زوری کو بھول کر اور آپ کی دعاؤں کے سہارے خاص نمبر کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خاص نمبر کے لیے ہمارے ادیب دوستوں کا تعاون مل رہا ہے اور ان شاء اللہ ملتا رہے گا۔

محترمہ سعدیہ راشد سے وعدہ لے لیا ہے اور ان کا پُر خلوص تعاون ہمارے لیے تقویت کا باعث ہے۔

نونہال دوست اپنی تحریریں بہت صاف لکھیں۔ اپنے پتے بھی بہت صاف اور مکمل لکھیں، اپنی ہر تحریر کو بھیجنے سے پہلے کئی بار پڑھ لیا کریں۔

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں



شہید حکیم محمد سعید

جدوجہد کرنے والے لوگ دعوتوں پر نہیں، عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ مرسلہ: تحریم خاں، ناتھ کراچی

پریم چند

دنیا میں سب سے اچھا سوال یہ ہے کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔

مرسلہ: کوئل قافلہ اللہ بخش، لیاری

افلاطون

نیکی کر کے پچھتا نا، نیکی کو ضائع کر دیتا ہے۔

مرسلہ: مہک اکرم، لیاقت آباد

ملٹن

اچھی کتاب انسان کے لیے زندگی کا بہترین

سرمایہ ہے۔

مرسلہ: عریشہ حبیب الرحمن، کراچی

ہربرٹ اسپنسر

اگر ہم وقت ضائع کرتے ہیں تو گویا زندگی

برباد کرتے ہیں۔ مرسلہ: بیگم بہار، بلوچستان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری

اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔

مرسلہ: عریشہ نوید، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہ

جب تمہیں کسی شخص پر غصہ آئے تو ہمیشہ اس

شخص کی اچھائیاں یاد کر لیا کرو۔

مرسلہ: عمر توقیر مظہر، بہاول پور

شیخ سعدی

کم زور پر رحم کرو گے تو طاقت ور کے ظلم سے

بچ جاؤ گے۔

مرسلہ: قمرنازد بلوی، کراچی

مرسید احمد خاں

ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو جیسی ہے۔

مرسلہ: عبدالرافع، کراچی

اشفاق احمد

پریشانی حالات کے ساتھ خیالات سے بھی پیدا

ہوتی ہے۔ مرسلہ: نعت ناصر، فیصل آباد

تم پر سلام ہر دم

محمد مشتاق حسین قادری

اے آمنہ کے دلبر ، تم پر سلام ہر دم

اے انبیاء کے سرور! تم پر سلام ہر دم

ہر آن کیوں نہ بھیجیں مل کر ادب سے آقا

تم ہو عظیم و برتر ، تم پر سلام ہر دم

آقا تم ہی ہو سب کے ، مولا تم ہی ہو سب کے

پڑھتے ہیں سب برابر ، تم پر سلام ہر دم

کوئی نہیں ہے میرا ، میں کس کے پاس جاؤں؟

ہو تم ہی میرے یاور ، تم پر سلام ہر دم

مشتاق لکھ رہا ہے ، مشتاق پڑھ رہا ہے

اللہ کے پیبر تم پر سلام ہر دم

خوب کام کرو

مسعود احمد برکاتی

آج کام کی باتیں کرنا ہیں۔ یوں تو اب تک جو باتیں بھی ہوئی ہیں وہ بھی کارآمد باتیں ہیں، مفید اور کارآمد باتیں، بے کار باتیں نہیں ہیں، لیکن آج کام کے متعلق باتیں کرنا ہیں۔ کام کرنا کیوں ضروری ہے، کام کرنے سے کیا فائدے اور نہ کرنے سے کیا نقصانات ہوتے ہیں؟ اگر میں تم سے پوچھوں کہ کام کرنا کیوں ضروری ہے؟ تو تم شاید یہ کہو گے کہ کام کر کے ہی آدمی کھاتا کھاتا ہے۔ کام نہ کرے گا تو پیسا کہاں سے آئے گا اور وہ زندگی کیسے گزارے گا۔ فرض کرو کہ کسی آدمی کو کھانے کمانے کے لیے کام کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے پاس بہت دولت ہے یا اس کے باپ دادا نے اتنا رپا چھوڑا ہے کہ اس کو زندگی بھر کمانے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ آرام سے زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے اور اس کو رپے پیسے کے لیے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جو بات میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کام نہ کرنے کے معنی آرام کے نہیں ہیں، جو شخص کام نہیں کرتا، وہ آرام بھی نہیں کرتا۔ وہ بے کار پڑا رہے گا۔ دن بھر سُست بیٹھا رہے گا، رات بھر سوتا رہے گا، مگر پھر بھی اس کو آرام نہیں ملے گا، بلکہ اس کو بہت سے نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے۔ ظاہر ہے کہ دن بھر گھر میں بیٹھا رہے گا اور تازہ ہوا سے محروم رہے گا۔ گندی ہوا میں سانس لیتا رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے پھیپڑے، اس کا دل اور اس کا خون خراب ہو جائے گا۔ کام اور محنت کی کمی کی وجہ سے جو پسینا آتا ہے وہ بھی نہیں آئے گا اور اس کے بدن سے نمک، پانی اور فضلات خارج نہیں ہوں گے اور خون صاف نہیں ہوگا۔ اس کے بدن کا کوئی حصہ، کوئی عضو بھی نہیں پلے جلے گا۔ اس کا جگر سُست اور آہستہ ہو جائے گا۔ اس کا معدہ اور اس کی آنتیں بھی سُست ہو جائیں گی۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ ہوگا کہ کوئی عضو ٹھیک سے کام نہیں کرے گا اور سُستی اور کم ہمتی چھا جائے گی۔ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی۔ قبض ہو جائے گا۔ سر میں درد ہو جائے گا۔ بھوک ختم اور نیند غائب ہو جائے گی اور صحت برباد ہو جائے گی۔

صحت خراب ہونے کا نتیجہ ہے پریشانی، بے دلی، بد دلی، کم زوری، دماغی اُلجھن، پستی اور پست ہمتی، اُداسی اور پریشان خیالی۔ ان باتوں کی وجہ سے صحت اور خراب ہو جائے گی۔

یہ ہیں کام نہ کرنے کے نقصانات۔ اب تو تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر آدمی کو پیٹ بھرنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت نہیں تو صحت قائم رکھنے، پریشانی اور اُلجھنوں سے بچنے اور زندگی کو مصیبت نہ بنانے کے لیے تو کام کی ضرورت ہے۔ میں تو تم سے یہ کہوں گا کہ کام کیے بغیر اس کی ضروریات (کھانا، کپڑا اور مکان وغیرہ) پوری ہو جائیں، تب بھی اسے کام کر کے اپنی دولت کو بڑھانا چاہیے۔ اس سے نہ صرف خود اس کو بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں اور قوم و ملک کو فائدہ پہنچے گا۔

کام کرنے سے یہاں میری مراد جسمانی کام ہے۔ وہ کام جس میں ہاتھ پیروں کا استعمال زیادہ ہو۔ انسان کو ہلنا چلنا پڑے، حرکت کرنا پڑے۔ یوں سمجھو کہ جسمانی کام وہ کہا جائے گا، جس کو کرنے سے جسم تھکے۔ ویسے تو کوئی کام بھی ایسا نہیں ہے، جس میں جسم کام میں نہ آئے اور اس پر اثر نہ پڑے۔ دماغی کام کرو گے تو اس میں بھی جسم تو کام آئے گا، لیکن کم۔ دماغی کام میں جسم کو کم حرکت کرنا پڑتی ہے اور وہ کم تھکتا ہے، دماغ زیادہ تھکتا ہے، اس لیے وہ کام جس میں جسم زیادہ کام میں آئے اور تھکے، اس کو جسمانی کام کہہ لو اور وہ کام جس میں دماغ سے زیادہ کام لینا پڑے اور دماغ تھکے، اس کو دماغی یا ذہنی کام کہہ سکتے ہو۔

اچھی زندگی گزارنے کے لیے دونوں طرح کے کام ضروری ہیں، لیکن محض زندہ رہنے اور تندرست رہنے کے لیے جسمانی کام ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے، جسمانی کام نہ کرنے کے بہت سے نقصانات ہوتے ہیں اور زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ جینے اور مرنے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ذہنی کام کرنے والوں کے لیے بھی جسمانی کام بہت ضروری ہے۔ وہ جو کام کرتے ہیں اس میں ان کا دماغ استعمال ہوتا ہے، اس پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ تھک جاتا ہے۔ ان کا جسم زیادہ استعمال نہیں ہوتا، وہ اتنا نہیں تھکتا۔ دماغی کام بیٹھے بیٹھے کرنے کا ہوتا ہے، اس لیے زیادہ وقت ان کا جسم ایک ہی حالت میں رہتا ہے اور اس کے سب حصے یکساں استعمال نہیں ہوتے۔ اپنے

کام کے بعد ان کے لیے جسمانی کام بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو وہ پیدل چل کر ہی جسم کو طاقت پہنچا سکتے ہیں۔ فالٹو وقت میں اپنے گھر پر کوئی نہ کوئی ایسا مشغلہ اختیار کر سکتے ہیں جس سے جسم کو حرکت ہو۔ وہ باغ بانی کر سکتے ہیں۔ گھر میں چھوٹا سا باغیچہ لگا کر اس کی دیکھ بھال، پودوں کو پانی دینا، ان کو ایک گملے سے دوسرے گملے میں بدلنا۔ اسی میں اس کا جسم خاصا تھک جائے گا۔

باغ بانی سے دل چسپی نہ ہو تو دوسرا کوئی اسی قسم کا کام کر سکتے ہیں، مثلاً گھر کے فرنیچر کی مرمت۔

کام کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جسم کی حرکت (پلنے چلنے) سے ہم

سانس گہرے اور لمبے اور جلد جلد لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ سانس کے ذریعے ہمارے پھیپڑوں میں

زیادہ ہوا داخل ہوتی ہے اور ان میں سے زیادہ ہوا خارج ہوتی ہے، وہ صاف اور تازہ ہوتی ہے۔

اس میں اوکسیجن ہوتی ہے۔ اوکسیجن (OXYGEN) صحت بخش ہوتی ہے۔ خون کو صاف کرتی ہے

اور طاقت پہنچاتی ہے۔ گہرے اور لمبے سانس لینے کا مطلب جسم میں طاقت و خون دوڑانا ہے۔ اگر

ہمارا خون صحیح اور صاف ہے تو سمجھو کہ ہمارا پورا جسم صحیح اور صاف ہے اور ہم صحت مند ہیں۔

کام کرنے کی وجہ سے جسم سے پسینا زیادہ نکلتا ہے۔ جسم سے پسینا نکلنا گویا گندگی اور

زہریلے مادوں کا جسم سے خارج ہونا ہے۔ اگر تمہارے جسم سے پسینا خارج نہ ہو تو خون کی

گندگی اور فضلہ باہر نہیں نکلے گا اور تم بیمار ہونے لگو گے۔

کام کرنے سے دل توانا اور مضبوط ہوتا ہے۔ پھیپڑے پھیلتے ہیں اور قوی ہوتے ہیں۔

جگر بیدار اور مستعد ہوتا ہے، معدہ طاقتور ہوتا ہے۔ آنتیں حرکت میں آتی ہیں۔ گردے اپنا

فرض زیادہ اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں اور بدن کے دوسرے حصوں (اعضا) کو زیادہ اور

اچھا کام کرنے پر ابھارتے ہیں۔

جو آدمی بے کار نہیں بیٹھا رہتا، محنت کرتا ہے، کام کرتا ہے، اس کو آرام میں بھی زیادہ

لطف آتا ہے، وہ میٹھی نیند سوتا ہے اور سکون سے اٹھتا ہے۔ خوش مزاج ہوتا ہے، تفریح میں بھی

اسے زیادہ مزہ آتا ہے۔ وہ زیادہ عرصے زندہ رہتا ہے اور خوش خوش جیتا ہے۔ اس کی زندگی

☆

ہوا سب سے پہلے

ڈاکٹر سید اسلم

انسانی زندگی کے لیے یوں تو غذا بھی اہم ہے اور پانی بھی، لیکن ان میں ہوا کی اہمیت سب سے پہلے ہے۔ اگر ہوا نہ ملے تو زندگی چند لمحوں میں ختم ہو سکتی ہے اور اگر ہوا کم ہو جائے تو ہر لمحے اس کمی کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ یہ قدرت کا جس قدر عظیم تحفہ ہے، اسی قدر اس کے فائدوں اور نعمت کا ہمیں شعور کم ہے۔

جس طرح ہماری خواہش ہوتی ہے کہ پینے کا پانی صاف ہونا چاہیے، اسی طرح جس ہوا میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ بھی صاف ہونا ضروری ہے۔ اگر پانی میں غلاظت نظر آتی ہے تو ہمارا دل اس پانی کو قبول نہیں کرتا، مگر ہوا میں کثافت ہو تو ہم پروا نہیں کرتے۔

شہر کے لوگ جس ہوا میں سانس لینے کے عادی ہو گئے ہیں، وہ صرف دھواں، سیاہی، گیس، گاڑی اور مشینوں سے نکلے ہوئے غلیظ اخراجات اور غلاظت کا مجموعہ ہے، جس کو ہم بعض دفعہ نہ جانتے ہوئے اور بعض دفعہ مجبور ہو کر اپنے اندر جذب کیے جا رہے ہیں اور اس طرح شہر میں رہنے کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ ہم پینے کے لیے صاف پانی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اگر پانی میں آلودگی کا شبہ بھی ہو جائے تو سراپا احتجاج ہو جاتے ہیں، لیکن ہوا میں کثافت ہو تو ہم پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور اس کو اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کیے جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ حالات کی وجہ سے مجبور ہیں کہ وہ کثیف ہوا میں سانس لیں، جیسے

شہروں کی مصروف سڑکوں کے آس پاس رہنے والے لوگ، لیکن زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے ہوا اور اوكیجن کی کمی میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کی عمر گزر گئی اور وہ دفتروں کی کوٹھڑیوں میں بیٹھے بیٹھے اُتھلے اُتھلے سانس لے کر جاں بخش اوكیجن سے محروم رہتے ہیں۔ یہ لوگ بغیر کوشش کے صرف اس قدر ہوا اندر لیتے ہیں کہ زندہ رہ سکیں، حال آنکہ چاہیے تو یہ کہ گہرے سانس کے ذریعے سے اس قدر ہوا اندر کھینچیں کہ پھیپڑوں کے دور دراز تاریک گوشوں تک میں ہوا پہنچ کر صفائی کر دے، تاکہ آئندہ پھیپڑوں کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

ایک پرانی ضرب المثل ہے ”ہر روز دس گہرے سانس لینے والا تپ دق سے محفوظ رہتا ہے“ ممکن ہے کہ کہاوت پوری طرح صحیح نہ ہو، لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص دن میں کئی مرتبہ اس قدر گہرے اور لمبے سانس لیتا ہے کہ پھیپڑے پوری طرح ہوا اور اوكیجن سے بھر جائیں، وہ اپنے خون کو پوری طرح اوكیجن کے ذخیروں سے مالا مال کرتا ہے اور پھیپڑوں کے ان تاریک گوشوں تک کو، جہاں جراثیم موجود ہیں، صاف کر لیتا ہے۔ یہ بات دل چسپ ہے کہ ہم میں سے اکثر کو گہرے سانس لینے کی خواہش نہیں ہوتی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ورزش نہیں کرتے۔ اگر سارا دن دفتر، گھر میں گزر جائے تو نہ بھوک لگے گی اور نہ گہرے سانس لینے کی خواہش ہوگی۔ اگر کوئی شخص صبح سویرے گھر سے نکل کر دوڑ لگالے تو اس کو دس بیس سانس لینے کی ضرورت نہیں ہوگی، سانس خود ہی پھول جائے گی، ہوا پھیپڑوں میں چلی جائے گی اور کاربن باہر آ جائے گا۔ اسی طرح اگر تیز قدمی سے چلا جائے، یا

تیرا کی جائے، کوئی کھیل کھیلا جائے یا باغ بانی کی جائے تو اسی طرح کا فائدہ ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ محنت اس قدر پر زور ہو کہ پسینا آ جائے یا سانس پھول جائے، جس سے پھیڑے اچھی طرح ہوا سے صاف ہو جائیں گے اور خون میں اوکسیجن کی فراوانی ہو جائے گی (اگر عمر ۳۵ سال ہے یا زیادہ ہے اور ورزش کی عادت نہیں ہے تو بغیر طبیب کے مشورہ کے اس قدر زوردار محنت نہ کریں)۔

جسم کے افعال کو مناسب طریقہ پر انجام دینے کے لیے جسم کے چھوٹے چھوٹے خانوں کو بھی اوکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تھکن، خشکی، سستی کی وجہ یہ بھی ہے کہ جسم اور دل و دماغ کو مناسب مقدار میں اوکسیجن نہیں پہنچ رہی ہے، کیوں کہ گہرے سانس لینے کی عادت نہیں ہے۔ جب بھی آپ کو تھکن معلوم ہو تو باہر نکل کر گہرے سانس لے کر اپنے جسم، دل و دماغ کو فرحت پہنچائیں۔ جس طرح روشن دانوں سے ہوا آ کر فرحت کا احساس پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح گہرے سانس لے کر پورا جسم ہوادار ہوتا ہے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہوا کی نعمت جس فیاضی سے قدرت نے عطا کی ہے، اتنا ہم فائدہ نہیں اٹھاتے اور سست رہتے ہیں۔ ☆

بعض نو نہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نو نہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتہ لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نو نہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نو نہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔ ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

دادی اماں! کہانی سناؤ

شاہد حسین

دادی اماں! کہانی سناؤ
چاہے نئی یا پرانی سناؤ

ظالم جن یا سبز پری کی
بونے یا جادو کی چھتری کی
ہو جس پر حیرانی ، سناؤ
دادی اماں! کہانی سناؤ

گڈے یا پھر اک گڑیا کی
چاند پہ بیٹھی اس بڑھیا کی
پڑھ کے یا پھر زبانی سناؤ
دادی اماں! کہانی سناؤ

شہزادے یا شہزادی کی
جنگل کی یا آبادی کی
ہو جس میں آسانی ، سناؤ
دادی اماں! کہانی سناؤ

روہن سیموئل گل

درمند درخت

”اب میرا بچنا محال ہے۔“ چیر کے بلند و بالا درخت نے بڑی مایوسی اور

نا اُمیدی سے یہ الفاظ کہے۔

اس کے قریب ہی ایک درمیانے قد والے درخت نے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”بزرگو! فکر نہ کریں، آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔“

بلند و بالا چیر کا درخت جو ارد گرد لگے تمام درختوں میں سب سے زیادہ عمر

رسیدہ تھا، ایک بار پھر رنجیدہ ہو کر بولا: ”نہیں بھائی نہیں، اب ان تسلیوں کا کوئی فائدہ

نہیں، پانی سر سے گزر چکا ہے۔“

اس کی بات سن کر اسی کی شاخ پر بیٹھا کالا کلوٹا پہاڑی کو اپنی بھونڈی سی آواز

میں کائیں کائیں کرتا ہوا بولا: ”بزرگو! پانی آپ کے سر سے کیسے گزر سکتا ہے! آپ تو

ارد گرد کے تمام درختوں میں سب سے زیادہ اونچے قد کے ہیں؟“ اور پھر زمین کی جانب

نگاہ ڈالتے ہوئے بولا: ”ابھی تو پانی آپ کی جڑوں کو ہی چھو رہا ہے۔“

بزرگ درخت اس بات پر ہلکا سا مسکرایا، مگر اس کی اس مسکراہٹ میں زندگی نہ

تھی، وہ کہنے لگا: ”یہی تو بات ہے کہ اب پانی میری جڑوں تک پہنچ گیا ہے اور اس کا

تیز ریلہ ہر لمحہ وہاں کی مٹی کو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اب تو

میری جڑیں بھی نظر آنے لگی ہیں۔“

حقیقت بھی یہی تھی کہ ہر گزرنے والا دن اُسے کم زور کرتا چلا جا رہا تھا۔ اب تو

WWW.PAKSOCIETY.COM
بس ایک تیز ہوا کا جھونکا یا آندھی اس قدیم درخت کو زمین پر گرا دینے کے لیے کافی تھی۔
اپنی شاخ پر بیٹھے کوئے کو مخاطب کر کے ایک بار پھر چیر کے درخت نے بڑی
اُداسی سے کہا: ”کوئے میاں! مجھے اپنے برباد ہونے کا اتنا دکھ نہیں، جتنا اس بات کا کہ اتنی
محنت سے بنائے ہوئے تمہارے مضبوط گھونسلے کا کیا بنے گا؟..... آخر تم کہاں جاؤ گے؟“

”فکر کیوں کرتے ہیں آپ! خدا میرا بھی کوئی بند و بست کر ہی دے گا۔ ہمیں تو
بس آپ کی فکر ہے اور دُعا کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رہے۔“
چیر کا یہ درخت ایک پہاڑی ڈھلان پر تھا، جس کے نیچے ایک خوب صورت سی
ندی بہتی تھی۔ کچھ عرصے پہلے پہاڑی کا کچھ حصہ گرنے کی وجہ سے ندی کے راستے میں
رکاوٹ آگئی اور پانی کی سطح اس طرف بلند ہونے لگی، جس طرف درخت تھے۔ ایک دن
ایسا آیا جب موسلا دھار بارش ہوئی، تمام پرندے اور جانور دَکے اور سہے بیٹھے
تھے۔ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے بھی پانی سے بچنے کے لئے ادھر ادھر پناہ ڈھونڈتے
پھر رہے تھے۔

ندی تو اب دریا بنی ہوئی تھی اور پانی کا تیز ریلہ اپنی راہ میں آنے والی ہر چیز
بہائے لیے جارہا تھا۔ ندی کا پاٹ تیز پانی کے بہاؤ سے چوڑا ہوتا گیا۔

ایک روز رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ وہ ایک خوفناک، تاریک اور
بھیاں کنک رات تھی۔ رات تو جیسے تیسے گزر گئی تھی، مگر چیر کا درخت بہت کم زور ہو گیا تھا۔

گیدڑ، لومڑی، خرگوش، بندر، بھیڑیے، جنگلی پلے اکثر درخت کے ساتھ بہتی
ندی کے کنارے آتے اور پانی پیتے۔ کچھ دیر درخت سے بھی باتیں کرتے، اُسے تسلی



دیتے اور اپنی راہ لیتے۔ اکثر جانور حسرت سے ندی کے دوسرے کنارے کو دیکھتے۔ اُن میں سے کئی جانوروں کے دوست ندی کے پار والے جنگل میں رہتے تھے، مگر ندی کا پاٹ چوڑا ہو جانے اور گہرائی کی وجہ سے اب اکثر جانوروں کے لیے اسے عبور کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

ایک خرگوش نے کوشش بھی کی تو پانی کے تیز ریلے میں بہ گیا تھا۔ بے چارے کی لاش بھی نہ مل سکی۔ اکثر جانور اپنا دکھ چیر کے درخت کے سامنے بیان کرتے۔

اب تو بے چارا بوڑھا چیر کا درخت بھی چند دن کا ہی مہمان تھا۔

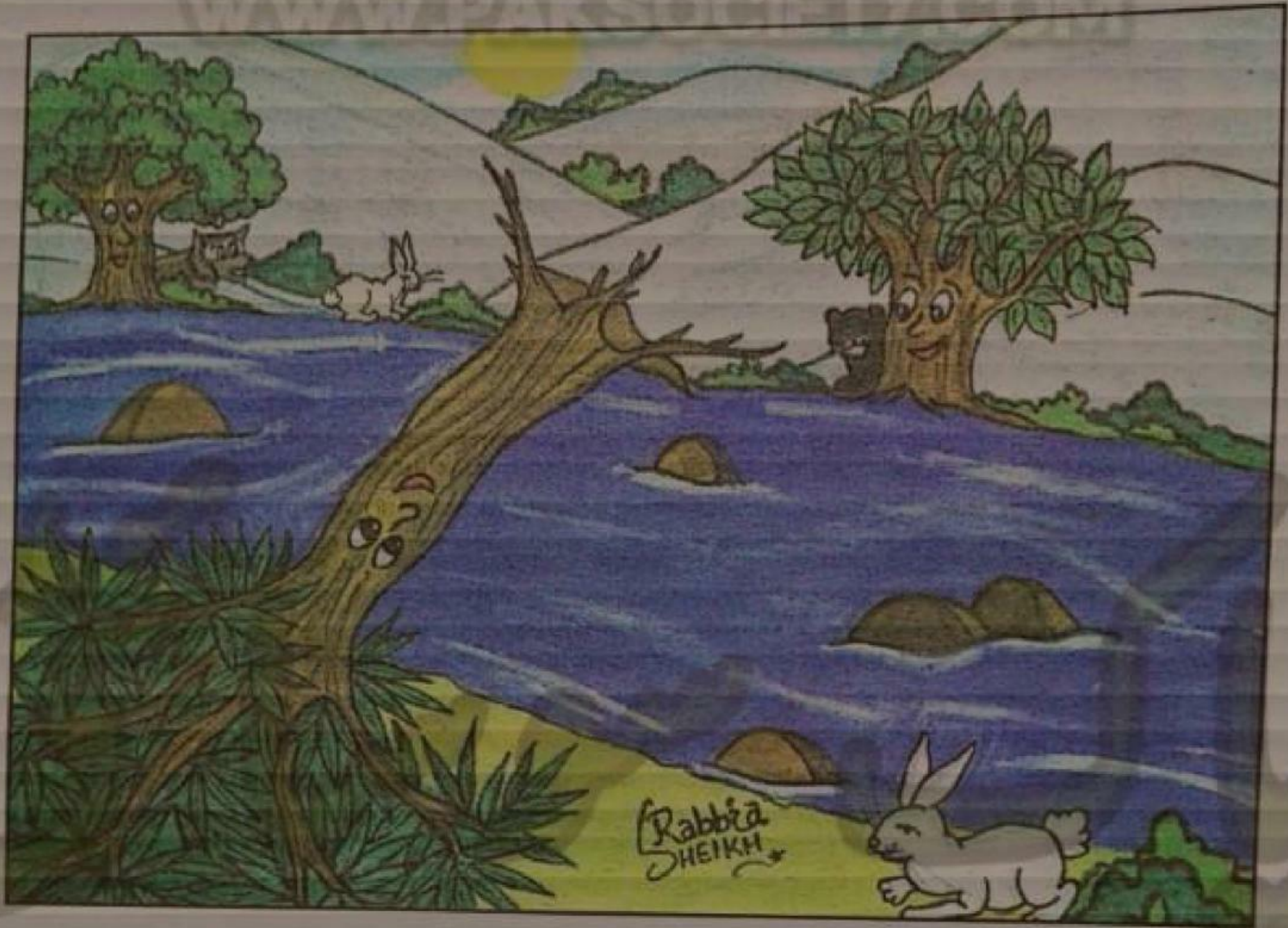
دوسرے دن پھر تند و تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ رات ہوئی تو چاند گھنے سیاہ بادلوں

کے پیچھے چھپ گیا۔ ایسی تاریکی اور سناٹے میں پرندے اور جانور بھی سہمے بیٹھے تھے۔ وقفے وقفے سے آسمان پر بجلی چمکتی اور سارے ماحول کو روشن کر دیتی تھی۔ طوفانی بارش نے چیر کے درخت کی باقی رہ جانے والی مٹی کو بھی اس کے قدموں سے پوری طرح کھینچ نکالا۔ اب اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ایک لمحہ بھی مزید اپنی جگہ پر قائم رہ سکے۔ اچانک اُس کی مایوسی اور نا اُمیدی، اُمید اور مسرت میں بدل گئی۔ اُس کے چہرے پر خوشی اور فتح مندی نظر آنے لگی۔

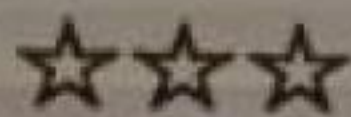
نہ جانے کون سا خیال اس کے ذہن میں بجلی کی سی تیزی سے آیا، جس نے اسے پُر اُمید اور جوشیلا بنا ڈالا۔ وہ دوسروں کی مدد کرنا چاہتا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فضل اور شفقت بھی اس کے ساتھ تھی۔ اب وہ خوشی سے ہر شار کو شش کر رہا تھا کہ اپنے ارادے میں کام یاب ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے بھرپور زور لگایا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آندھی بھی اُسی سمت میں چل رہی تھی، جس میں اس کا، بلکہ سب کا فائدہ تھا۔ آخر رات کے کسی پہر ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ بلند و بالا قدیم چیر کا درخت گر پڑا۔ درخت نے بڑی سمجھ داری کے ساتھ پہلے ہی تمام پرندوں کو اپنی شاخوں پر سے کہیں اور منتقل ہونے کا کہہ دیا تھا۔

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ گھنے سیاہ بادل برس کر چھٹ چکے تھے۔ گہرا نیلا آسمان خوب صورت منظر پیش کر رہا تھا اور وہ جگہ خالی خالی تھی، جہاں وہ گھنا پُر انا چیر کا درخت کبھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ آسمان کی بلندیوں کو چھوتا تھا۔

جنگل کے سارے جانور بے حد خوش تھے۔ پرندے بھی خوشی سے چہچہا رہے



تھے۔ درخت اپنے مقصد میں کام یاب ہو چکا تھا۔ وہ آندھی کی مناسب سمت اور اپنی
کوشش کے باعث اس زاویے سے گرا تھا کہ اس کا آسمان کو چھوتا سرا اب چوڑی ندی
کے دوسری جانب تک پہنچ چکا تھا۔ اس طرح ندی کی چوڑائی کے باعث دو حصوں میں تقسیم
ہو جانے والا جنگل اس چیر کے درخت کے قدرتی پل کی وجہ سے پھر ایک ہو گیا۔ خرگوش،
گیدڑ، بندر، لومڑی اور بھیڑیے وغیرہ اب آسانی سے ادھر ادھر جا سکتے تھے۔
چیر کے درخت نے اپنا وجود نہیں کھو یا تھا، بلکہ گر کر اپنی موجودگی کو زیادہ نمایاں
کر دیا تھا۔



آسیب زدہ فلیٹ

انوار آس محمد



رات کے دو بجے اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ کمرے میں خاموشی تھی، بس پکھا چلنے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے اٹھ کر پانی پیا، اپنے حواس بحال کیے اور لیٹ گیا، لیکن پھر مجھے بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں اصل میں ایک خوف ناک خواب سے ڈر کر اٹھا تھا، میں نے دیکھا تھا کہ میرے کمرے میں پتکے سے کوئی لاش لٹک رہی ہے۔ اس خواب نے میرے ہوش اڑا رکھے تھے۔ میں پہلے بھی یہ خواب کئی بار دیکھ چکا تھا۔

کراچی جیسے بڑے شہر میں مکان ملنا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے بڑی مشکل سے



گلستانِ جوہر میں یہ فلیٹ ملا تھا، مگر شاید یہ مجھے راس نہیں آ رہا تھا۔ جب سے یہ فلیٹ لیا تھا، مجھے ایسا لگتا تھا کہ کوئی اور بھی میرے پاس رہتا ہے، شاید کوئی بھوت۔ میں فیصل آباد سے کراچی پڑھنے آیا تھا اور مستقل یہیں رہنا چاہتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ فلیٹ ملا تھا، مگر یہ فلیٹ بھوت گھر سے کم نہ تھا۔ میں کسی حال میں بھی اس فلیٹ کو خالی نہیں کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ یہ مجھے بہت مشکل سے ملا تھا۔ ایک دن میرے ایک پڑوسی نے مجھ سے میری خیریت دریافت کی تو میرا دل چاہا کہ انہیں سب کچھ بتا دوں، بس پھر میں نے اُن سے اپنے دل کا حال کہہ ڈالا کہ مجھے اس فلیٹ میں ڈر لگتا ہے اور ڈراؤ نے خواب نظر آتے ہیں۔

”لگتا ہے، آپ کو اس فلیٹ کا راز نہیں معلوم۔“ میرے پڑوسی مجیب صاحب

نے میری باتیں سننے کے بعد کہا۔

”کیسا راز؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”سنا ہے کہ ایک سال پہلے اس فلیٹ میں ایک نوجوان نے خودکشی کی تھی۔“

مجیب صاحب نے بتایا۔

”ہاں یہ تو مجھے پتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم کو یہ بات کب پتا چلی؟“ مجیب صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

”فلیٹ لینے کے ایک ہفتے بعد ہی مجھے میرے اسٹیٹ ایجنٹ نے بتایا تھا۔“

یہ بات تم کو فلیٹ لینے سے پہلے اس نے نہیں بتائی، شاید اس لیے کہ پھر تم یہ فلیٹ

نہیں لیتے، جس طرح پچھلے ایک سال سے کوئی نہیں لے رہا تھا۔“ مجیب صاحب نے مجھ سے کہا۔

یہ سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ مجیب صاحب ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اگر مجھے یہ بات

پتا ہوتی کہ اس گھر میں کوئی حادثہ ہوا ہے، تو میں ہرگز یہ فلیٹ نہ خریدتا۔

”تم نے یہ فلیٹ کتنے کا خریدا؟“

”پورے دس لاکھ کا۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا کہا؟ دو کمرے کا اتنا چھوٹا فلیٹ دس لاکھ کا؟ تم کو تو لوٹ لیا بھائی!“ مجیب

صاحب حیران رہ گئے۔

”تم کراچی میں نئے نئے آئے ہو، اس لیے تم کو یہاں کی قیمتوں کا اندازہ نہیں

ہوا۔“ انھوں نے مجھ پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔

میں ان کی باتیں سن کر سکتے میں آ گیا کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ دو چار

دن میں بڑا اُداس رہا کہ اب کیا کیا جائے۔

وہ فلیٹ میرے دل سے اُتر چکا تھا۔ آخر میں اپنے اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس گیا اور اُس سے شکایت کی کہ آپ نے مجھے آسیب زدہ فلیٹ منہگے دام میں دے دیا۔ میری بات سن کر اسٹیٹ ایجنسی کے مالک کریم صاحب بہت ہنسے اور بولے: ”بھائی! آپ بھی کیا بات کر رہے ہیں جن بھوتوں کی؟ اور کس نے کہہ دیا کہ وہ آپ کو منہگا ملا؟“

”بس مجھے پتا چلا ہے“ میں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

”تو اب کیا چاہتے ہیں؟“ کریم صاحب نے پوچھا۔

”بس مجھے اپنے پیسے واپس چاہییں۔“ میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

”دیکھیں بلال بھائی! یہ فلیٹ ہے کوئی بچے کا کھلونا نہیں کہ واپس کر لیا اور پیسے دے دیے۔ ایک تو میں نے آپ پر احسان کیا کہ آپ طالب علم ہیں، ورنہ کراچی میں فلیٹ ملتا کہاں ہے؟ پھر بھی آپ کو واپس کرنا ہے تو کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔ کوئی اور گاہک مل جائے تو میں آپ کا فلیٹ فروخت کر کے رقم آپ کے حوالے کر دوں گا۔“ کریم صاحب نے مجھے سمجھایا۔

بات انھوں نے ٹھیک کہی تھی۔

”جتنی جلدی ہو آپ میرا یہ کام کر دیں!“ میں نے کہا اور وہاں سے چلا آیا۔

میرا سارا سکون غارت ہو گیا تھا۔ میرا خواب مجھے بہت تنگ کر رہا تھا۔ ہر رات جب میری نیند گہری ہوتی مجھے وہ لاش نظر آتی اور اب تو اُس نے مسکراتا بھی شروع کر دیا تھا، جیسے وہ میرا منہ چڑا رہی ہو۔ میں ہر روز اپنے پڑوسی کے گھر چلا جاتا اور اپنی

حالت بیان کرتا۔ وہ بے چارے مجھے دلاسا دیتے۔

ایک ہفتہ یونہی گزر گیا اور میں دوبارہ اپنے اسٹیٹ ایجنٹ کریم صاحب کے

پاس پہنچا۔

”کریم صاحب! اب مجھے وہاں ہرگز نہیں رہنا۔“ میں نے اُن سے کہا اور ایک

ہفتے کے دوران ہونے والے واقعات بیان کر دیے۔ وہ میری باتیں سن کر پریشان ہو گئے۔

”لیکن ابھی تک کوئی گاہک نہیں آیا ہے۔“ انھوں نے کہا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔ بس آپ کچھ کریں۔“ میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔

”دیکھو بلال میاں! اگر یہ بات ہے تو پھر یہ فلیٹ میں خرید لیتا ہوں، مگر میرے

پاس صرف چھ لاکھ رہے ہیں۔“

”کیا کہا آپ نے! چھ لاکھ؟“ میرا منہ کھلا رہ گیا۔

”ارے بات تو سنو۔ چھ لاکھ تم ابھی لے لو باقی چار لاکھ میں تم کو قسطوں میں

دے دوں، پچاس ہزار مہینہ۔ اس دوران اگر کوئی گاہک مل گیا اور فلیٹ فروخت ہو گیا تو

باقی کے چار لاکھ پورے لے لینا۔“ کریم صاحب نے کہا۔

”پھر میں رہوں گا کہاں؟“ میں نے پوچھا۔

”تب تک کے لیے تم کو ایک فلیٹ کرائے پر دے دیتا ہوں۔“ کریم صاحب

نے کہا: ”بس دو تین مہینے میں فلیٹ فروخت ہو جائے گا، پھر تمہارا جہاں دل چاہے فلیٹ

خرید لینا۔“

مجھے کریم صاحب کی بات اچھی لگی، لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگا کہ مجھے وہ بے وقوف بنا رہے ہیں۔ میں بھی آخر پڑھا لکھا تھا، باتوں میں آنے والا نہ تھا۔ ”ٹھیک ہے، مگر آپ یہ معاہدہ قانونی طور پر کر لیں کہ آپ میرا فلیٹ فروخت کر کے چار لاکھ روپے بعد میں دیں گے اور چھ لاکھ روپے ایڈوانس دیں گے۔“ میں نے کہا۔

”واہ بلال بھائی! آپ کو بھروسہ نہیں۔“ کریم صاحب تھوڑا سا ناراض ہوتے ہوئے بولے: ”فلیٹ بھی آپ کو بیچنا ہے اور قانونی طور پر کاغذات بھی بنوانا چاہتے ہیں۔“

”آپ برا نہ مانیں پر یہ کام کر لیں تو سکون آ جائے گا۔“ میں نے کہا۔
 ”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ہم کونسا دھوکا دہی کر رہے ہیں، جو قانونی کام سے ڈریں گے، بنوا لیتے ہیں کاغذات۔“ کریم صاحب خفا ہوتے ہوئے بولے۔

میں خوش ہو گیا۔ اس کے بعد کریم صاحب نے اپنے نوکر سے میرے لیے ٹھنڈی بوتل منگوائی۔

دو ہی دن بعد مجھے چھ لاکھ ادا کر دیے گئے اور کاغذات بھی بن گئے۔ میں نے چھ لاکھ میں فلیٹ کریم صاحب کو بیچ دیا اور اس میں شرط تھی کہ فلیٹ دس لاکھ کی صورت میں دوبارہ فروخت ہونے پر مجھے چار لاکھ ادا کیے جائیں گے۔ ساتھ ہی کریم صاحب نے مجھے ایک فلیٹ کرائے پر دلوا دیا۔ میں نے نئے فلیٹ میں آ کر سکون کا سانس لیا۔ اس فلیٹ میں مجھے بہت سکون ملا۔ یہاں مجھے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا تھا۔ دن گزرتے رہے۔ اب مجھے انتظار تھا کہ فلیٹ فروخت ہو جائے تو مجھے پورے پیسے مل جائیں، کیوں کہ ماہانہ

”معاہدے کے مطابق میں تم کو ایک پیسا بھی نہیں دوں گا۔“ انھوں نے کہا اور

مسکرا دیے۔

”کیا مطلب؟“ میں نے پوچھا۔

”معاہدے کی شرط ہے کہ فلیٹ دس لاکھ روپے میں فروخت ہونے کی صورت

میں تم کو چار لاکھ دیے جائیں گے، مگر فلیٹ نو لاکھ کا پکا ہے۔ معاہدے کی رو سے تم کو ایک

پیسا بھی نہیں ملے گا۔“ انھوں نے کہا اور فلیٹ کی فائل میرے آگے بڑھا دی۔

میں نے فائل تفصیل سے پڑھی تو میرا سر چکرا گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ میں

نے معاہدے میں اپنے تحفظ کے لیے اور کوئی شرط ہی نہ رکھی تھی۔ آپ مجھے اس طرح نہیں

لوٹ سکتے۔ میں عدالت تک جاؤں گا۔ میں غصے سے بھر گیا اور وہاں سے نکل گیا۔

میرے دوست کا ایک وکیل جاننے والا تھا۔ میں نے کریم اسٹیٹ ایجنسی والے پر

دھوکہ دہی کا کیس کر دیا۔ وکیل صاحب نے دو لاکھ روپے فیس لی۔ مجھے یقین تھا کہ میں یہ

کیس جیت جاؤں گا۔ چار سال تک کیس چلا۔ آہستہ آہستہ میرے پیسے ختم ہوتے چلے

گئے اور میں کیس بھی ہار گیا۔ اب میں کہاں رہ رہا ہوں، کس حال میں ہوں اور مجھ پر کیا

کیا جیتی، یہ میں آپ کو پھر کبھی تفصیل سے سناؤں گا۔ تاہم اتنا ضرور بتا دوں کہ کریم اور

مجیب دونوں آپس میں دوست ہیں اور اسی طرح لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹتے

ہیں۔ مجیب نے میری خواب میں ڈرنے کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور میرے دل میں

لاش کا ڈر بٹھا کر جھوٹی کہانی سنا کر مجھے لوٹا۔ آخر میں بس اتنا کہوں گا کہ آپ اپنی کمزوری

کبھی کسی کو مت بتائیے گا۔ ☆

بُرائی سے بچنا

شمس القمر عاكف

بُرائی کی جانب بھلاتی ہے دنیا
 بُرے راستے ہی دکھاتی ہے دنیا
 بُرا ، آدمی کو بناتی ہے دنیا
 یونہی پستیوں میں گراتی ہے دنیا

تم اے نو نہالو! بُرائی سے بچنا

خدا کے لیے جگ ہنائی سے بچنا

یہاں نیک تھوڑے، بُرے ہیں ہزاروں

نہائی کی رہ پر چلے ہیں ہزاروں

بُرائی کے داعی بنے ہیں ہزاروں

یہ دلدل ہے جس میں پھنسے ہیں ہزاروں

تم اے نو نہالو! بُرائی سے بچنا

خدا کے لیے جگ ہنائی سے بچنا

بُرائی کہاں ، راستی کے برابر؟

اندھیرا کہاں ، روشنی کے برابر؟

کہاں جانور آدمی کے برابر؟

تجاہی کہاں ، زندگی کے برابر؟

تم اے نو نہالو! بُرائی سے بچنا

خدا کے لیے جگہ ہنسائی سے بچنا

پھولوں کی شہزادی

نظارت نصر

بہت زمانے پہلے کی بات ہے کہ ایک گاؤں میں ایک بڑی ہونہار لڑکی رہا کرتی تھی۔ اس کا نام صدف تھا۔ وہ بہت خوب صورت اور اچھی بچی تھی۔ ہمیشہ بڑوں کا کہنا مانتی اور اُن کا ہر حکم بجالاتی۔ وہ اپنا ہر کام وقت پر کرتی تھی۔ فارغ وقت میں وہ اپنا باغبانی کا شوق پورا کرتی تھی۔ اسے پھولوں اور پودوں سے بہت محبت تھی۔ صدف کے گھر سے ملا ہوا زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا خالی پڑا تھا۔ اس میں مختلف قسم کی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ایک دن اس نے سوچا کہ گملوں کے بجائے میرے پودے اس جگہ زیادہ اچھی طرح پرورش پائیں گے، لیکن وہاں بہت جھاڑ جھنکاڑ ہے۔

”مسلل محنت اور کوشش سے پہاڑ کاٹ کر بھی راستہ بنایا جاسکتا ہے۔“ صدف کو اپنی کتاب میں لکھا ہوا کسی دانا کا قول یاد آ گیا۔ وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں گھر پی سنبھال کر وہاں پہنچ گئی۔ سخت زمین میں اُگے ہوئے جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کرنا کافی مشکل کام تھا، مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ دوپہر تک وہ آدھے حصے کی جھاڑیاں وغیرہ کاٹ کر صاف کر چکی تھی۔ اس کی ہم عمر لڑکیاں جو صبح سے کھیتوں میں کھیل کود رہی تھیں، جب گھر لوٹیں تو صدف کو کام میں بڑی طرح مصروف پایا۔

”تم یہ کیا کر رہی ہو؟“ ان میں سے ایک نے نہایت حیرت سے پوچھا۔

دوسری بولی: ”اس فضول کام سے بہتر تھا کہ تم ہمارے ساتھ چل کر کھیت میں

کھیلتیں، ہمیں وہاں بہت مزہ آیا۔“

صدف نے گھر پی زمین پر رکھ دی۔ پھر اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھ کر بولی:
 ”میں ایک بہت عمدہ کام کر رہی ہوں۔ یہاں میں پھولوں کا ایک باغ لگاؤں گی۔ اگر
 تم چاہو تو اس کام میں میرے ساتھ شامل ہو سکتی ہو۔“

سب لڑکیاں صدف کا مذاق اڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ
 اپنا وقت فضول ضائع کر رہی تھی۔ پھول تو موسم بہار میں خود بخود اُگ آتے ہیں۔ پھر ان
 کا کوئی فائدہ بھی نہیں، صرف دیکھنے میں خوب صورت لگتے ہیں اور دوسرے دن مرجھا
 جاتے ہیں۔ صدف ان کے رویے سے بہت اُداس ہو گئی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری،
 کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ہمت ہار جانے والے لوگ کبھی منزل تک نہیں پہنچتے۔

اس نے گھر جا کر ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا اور تھکن اُترتے ہی پھر
 اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ شام کو اس کے ابا کھیتوں سے گھر آئے تو انھیں اپنی بیٹی کی
 محنت دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ انھوں نے اسے شاباش دی اور کہا: ”تم فکر نہ کرو، میں
 تمہارے ساتھ مل کر یہاں پھول اُگاؤں گا۔ پھر دیکھنا لوگ دور دور سے تمہارا باغ
 دیکھنے آئیں گے۔“ یہ سن کر صدف بہت خوش ہوئی۔

اگلے دن اس کے ابا نے اس کے ساتھ مل کر زمین کی مٹی نرم کی، اچھی اچھی کیاریاں
 بنائیں اور چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں لگا دیں، تاکہ کوئی جانور اندر نہ آ سکے۔
 اگلے دن انھوں نے مختلف پھولوں کے بیج اور قلمیں لا کر صدف کے حوالے کر دیں۔

انھوں نے بتایا: ”گلاب اور چینیلی کے پودے قلموں کے ذریعے سے لگائے جاتے
 ہیں۔“ صدف نے خوشی خوشی ابا کی ہدایت کے مطابق بیج بودیے اور قلمیں بھی گاڑ دیں۔ کچھ

دن بعد ابا نے اس باغ کے ارد گرد خوب صورت پھولوں والی ایک سبز باڑھ بھی لگا دی۔
 ابا نے کہا: ”جب یہ باڑھ بڑھے گی تو باغ کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ
 حفاظت کے کام بھی آئے گی۔“

صدف بہت خوش تھی۔ کچھ دنوں میں پودے نکل آئے۔ وہ وقت پر انھیں کھاد
 اور پانی دیتی اور ابا کی ہدایت کے مطابق اپنے باغ کی دیکھ بھال کرتی۔ پودے کافی
 بڑے ہو گئے تھے۔ جب وہ ہوا سے ہلتے تو صدف کو ایسے لگتا جیسے وہ اس سے باتیں
 کر رہے ہوں۔ گرمی کی چھٹیوں کے بعد اسکول کھل گئے تو صدف پڑھائی میں مصروف
 ہو گئی، لیکن وہ اپنے باغ کو نہ بھولی۔ مناسب دیکھ بھال سے بہت جلد پودوں پر خوش نما
 پھول کھل اُٹھے۔

اب تو صدف کے باغ کی ہر طرف دھوم مچ گئی۔ اس کی سہیلیاں فخر سے کہتیں:
 ”ہم صدف کی سہیلیاں ہیں، جس کا پھولوں کا باغ ہے۔“

باغ کی دھوم اسکول بھی پہنچ گئی۔ اس کی استانیاں بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئیں۔
 انھوں نے صدف کو بہت شاباش دی اور اسکول کی طرف سے انعام بھی دیا۔
 وقت گزرتا گیا۔ صدف بڑی ہو گئی۔ اب وہ اسکول کی کتابوں کے علاوہ دوسری
 مفید کتابیں بھی شوق سے پڑھتی تھی۔ اس طرح باغبانی سے متعلق اس کی معلومات میں
 اضافہ ہوتا گیا۔ اب اس کا باغ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گیا تھا۔ ایک روز
 صدف نے ایک کتاب میں پڑھا: ”تجربہ علم کو نکھارتا ہے اور غلطی اصلاح کا بہترین ذریعہ
 ہے۔“ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی نئے پھولوں کی افزائش کے لیے تجربات کرے گی۔

اس نے رہنمائی کے لیے باغبانی سے متعلق اچھی اچھی کتابیں بھی پڑھنا شروع کر دیں۔
اس طرح پیوند کاری کے ذریعے اس نے پھولوں کی کئی نئی قسمیں تیار کر لیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے اس کا تجربہ اور علم بڑھتا گیا، اس کے باغ کے
پھول خوب صورت، دل فریب ہوتے گئے۔ وہ جب بھی کوئی نیا پھول اُگاتی اس کی خوشی
دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ ان دنوں وہ ایک بار پھر بہت مصروف ہو گئی تھی۔ اب وہ ایک
ایسا پھول اُگا رہی تھی، جس کی سات پتیاں ہوں گی اور ساتوں الگ الگ رنگ کی ہوں
گی۔ اس پھول کی شاخیں دن میں دو مرتبہ رنگ بدلیں گی۔ صبح کو اس کا رنگ سرخ اور
شام کو زرد ہو جائے گا۔ صبر آ زما انتظار کے بعد آخرا یک دن صبح کو جب صدف باغ میں
پہنچی تو یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ پھول کھل رہا تھا۔ جب پھول پورا کھل گیا
تو اتنا خوب صورت تھا کہ پورے باغ میں نمایاں نظر آتا تھا۔ اس پھول کی خوشبو بھی بہت
پیاری تھی۔ وہ بھاگ کر گھر آئی: ”ابا..... ابا! دیکھیے، میں نے عجیب و غریب پھول اُگایا
ہے۔ اس میں سات رنگ کی پتیاں ہیں۔“

اس کے ابا بہت خوش ہوئے۔ سب گھر والے اس کے پھول کو دیکھنے کے لیے
آئے۔ امی بولیں: ”واہ! صدف نے تو کمال کر دیا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ یہ صرف وقت
ضائع کر رہی ہے۔“

ابا نے اس کی پشت تھپکی اور بولے: ”صدف بیٹی! اس مرتبہ تمہارے پھول کو ہم
پھولوں کی سالانہ نمائش میں پیش کریں گے۔“

دونوں باپ بیٹی اس نمائش کے لیے بہت پُر جوش تھے، جو کچھ دنوں میں منعقد

ہونے والی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے نمائش کا دن بھی آ گیا۔ صدف بھی اپنے ابا کے ساتھ اپنا پھول لے کر مقررہ جگہ پہنچ گئی۔ نمائش میں طرح طرح کے خوب صورت، خوش رنگ پھول سجے ہوئے تھے۔ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔

جج صاحبان نے نمائش میں رکھے تمام پھولوں کا معائنہ کیا اور نتیجے کے اعلان کے لیے اسٹیج پر چلے گئے۔ پہلے نمبر پر جو پھول آیا، وہ ایک ماہر باغبان کا تھا۔ اس کے پودے کی پانچ ٹہنیاں تھیں اور پانچوں پر پانچ مختلف رنگوں اور شکلوں کے پھول کھلے تھے۔ صدف کا پھول دوسرے نمبر پر آیا۔ جج صاحبان نے اعلان کیا: ”اس بچی کو خصوصی انعام بھی دیا جائے گا، کیوں کہ اس نے بہت کم عمری میں ایسا شان دار پھول اُگایا ہے۔ اس صلاحیت کو دیکھتے ہوئے حکومت اسے اعلیٰ تعلیم دلانے لگی۔“

لوگوں کا ہجوم تالیاں بجانے لگا۔ صدف نے اسٹیج پر جا کر اپنا انعام وصول کیا اور خوشی خوشی ابا کے پاس آ گئی۔ ہجوم میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے بچے نعرے لگانے لگے: ”پھولوں کی شہزادی!!!“ وہ ہنس پڑی۔ ابا نے مسکرا کر صدف کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر بولے: ”ہمیشہ یاد رکھنا! اچھا شوق بہترین صلہ دیتا ہے۔“



ای۔ میل کے ذریعے سے

ای۔ میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا

کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی

ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔ hfp@hamdardfoundation.org



رفیع یوسفی محرم

کہانی لکھو، یا لکھو نظم

نہیں اچھی، چوری کسی چیز کی
خصوصاً کسی نظم، مضمون کی

مگر باز آتے نہیں ایسے چور

دکھاتے ہی رہتے ہیں اپنا یہ زور

کسی نے کوئی نظم لی ہے اڑا

کسی نے کہانی کوئی لی چرا

چرائی ہوئی چیز چھپتی نہیں

اگر چھپ بھی جائے تو چھپتی نہیں

پرانے لطیفے نہ بھیجو کبھی

ذرا کان دھر کے یہ سن لو سبھی

اگر چاہتے ہو، بنو تم ادیب

نصیحت سُنو میری، ہو کر قریب

خدا کی مدد سے قلم تھام لو

مُرانی کتب سے نہ تم کام لو

کہانی لکھو یا لکھو نظم تم

نہ چوری کا ہر گز کرو عزم تم



سال بھر کا انتظار ختم ہونے والا ہے

ہمدرد نو نہال

کا آئندہ شمارہ خاص نمبر ہوگا

☆ انوکھی، حیرت انگیز، سنسنی خیز، چپٹی اور جادوئی کہانیاں

☆ تاریخی، سائنسی، معلوماتی، مزاحیہ اور اخلاقی تحریریں

☆ شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھنے والی باتیں

☆ اشتیاق احمد کا ایک خوب صورت مکمل ناولٹ

☆ محترمہ سعدیہ راشد کی ایک خصوصی تحریر

☆ مسعود احمد برکاتی کی نئی اور کام آنے والی باتیں

☆ آسان انعامی سلسلے، مزے دار لطیفے، کارٹون، نظمیں

خاص نمبر کے ساتھ ایک خاص تحفہ ہوگا

صفحات زیادہ قیمت زیادہ نہیں

ہر بک اسٹال پر دستیاب ہوگا۔

معلومات در معلومات

غلام حسین میمن

بچوں کا سفر نامہ

بچوں کے ادب میں سفر نامے کی ابتدا مسعود احمد برکاتی نے کی تھی۔ انھوں نے ہی بچوں کے لیے سب سے پہلا سفر نامہ ”دو مسافر دو ملک“ لکھ کر بچوں کے ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اسی طرح سب سے زیادہ بچوں کے لیے سفر نامے لکھنے کا اعزاز شہید حکیم محمد سعید کو حاصل ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کے لیے ان کے سفر ناموں کی تعداد چوالیس (۴۴) ہے۔

حیدر آباد

حیدر آباد، صوبہ سندھ کا ایک بڑا شہر ہے، جو کراچی سے تقریباً دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں کپڑا تیار کرنے، روئی صاف کرنے، سیمنٹ اور بنا سستی گھی بنانے کی صنعتیں، موٹر سائیکلوں اور چوڑیوں کے کارخانے موجود ہیں۔ اسی نام سے ہندستان میں ایک بڑا شہر حیدر آباد کن آباد ہے۔ یہ ایک آزاد اور خوشحال ریاست تھی۔ برصغیر کی پہلی اردو یونیورسٹی ”جامعہ عثمانیہ“ یہیں پر قائم ہوئی تھی۔ یہاں کے شاہی محلات اور مساجد قابل دید ہیں۔

قرارداد

”قراردادِ پاکستان“ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی، جس میں مسلمانوں کے لیے

علاحدہ ملک کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ لاہور کے منٹو پارک میں منعقدہ یہ اجلاس مسلم لیگ کا

۲۷ واں سالانہ اجلاس تھا اور اس کی منظوری کے محض سات سال بعد ہی مسلمانوں کو ان کا

علاحدہ ملک ”پاکستان“ مل گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد آئین سازی کی طرف پہلا قدم

”قراردادِ مقاصد“ ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح ملک میں جمہوری اور اسلامی نظام کے

نفاذ کے خواہش مند تھے۔ پاکستان کی مجلس دستور ساز نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد

منظور کی، جسے قراردادِ مقاصد کا نام دیا گیا۔ اس کا مسودہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے تیار کیا

تھا۔ اس میں پاکستان کے دستور کی بنیاد اور مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

سرگزشت

سرگزشت کے نام سے اردو کے دو بڑے ادیبوں نے اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ ان

میں ایک تو عبدالمجید سالک ہیں جو کالم نگار اور صحافی بھی تھے۔ اپنے جاری کردہ روزنامہ

انقلاب میں ”افکار و حوادث“ کے نام سے باقاعدہ کالم بھی لکھا کرتے تھے۔ دوسرے ادیب

اور براڈ کاسٹر زیڈ۔ اے بخاری (ذوالفقار علی بخاری) تھے، جو بابائے نشریات کے نام سے

بھی مشہور ہیں۔ وہ مشہور ماہر تعلیم اور ادیب پطرس بخاری کے بھائی تھے۔ ”سرگزشت“

ان کی سوانح عمری ہے، جو سب سے پہلے ”روزنامہ حریت“ میں شائع ہوئی۔





شمسہ سعیدیہ بھٹہ، حاصل پور



محمد توقیر، میر پور خاص

تصویر خانہ



زہیر ذوالفقار، کراچی



محمد احمد خاں، حیدر آباد



طلحہ بن عابد، کراچی



نعیم الرحمن مینگل، شیاری



جہانگیر عباس جونیہ، کراچی



حسان علیم، ملتان



چوتھا سیب

تحریر: راؤ منظر حیات

انتخاب: تحریم خان

قائد اعظم، گورنر جنرل ہاؤس کے اخراجات کے متعلق بہت محتاط تھے۔ وہ کم سے کم خرچ کرنے پر زور دیتے تھے۔ ذاتی خرچ پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ کھانے پر جتنے مہمان آئیں، پھل اسی تعداد میں پیش کیے جائیں۔ مثلاً اگر تین مہمان ہیں تو صرف تین ناشپاتیاں ہوں۔ کشمیری رہنماؤں میں غلام عباس صاحب قائد اعظم کے بہت نزدیک تھے۔ ایک دن وہ قائد اعظم سے ملنے تشریف لائے۔ دوپہر کے کھانے پر قائد اعظم، محترمہ فاطمہ جناح اور غلام عباس تین لوگ موجود تھے۔ کھانے کے بعد جب پھل لائے گئے تو وہ چار سیب تھے۔ غلام عباس صاحب چلے گئے تو قائد اعظم نے اپنے ADC (ماتحت افسر) کو بلوایا اور پوچھا کہ کھانے پر صرف تین لوگ تھے تو چوتھا سیب کس کے لیے تھا؟

نوجوان افسر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، کیوں کہ قائد اعظم کا حکم تھا کہ جتنے لوگ کھانے پر ہوں، اتنی ہی تعداد میں پھل ہونے چاہئیں۔ چوتھا سیب قائد اعظم کے حکم کے خلاف تھا۔ افسر نے صرف اتنا ہی کہا: ”سر! غلطی ہو گئی۔“

قائد اعظم نے انتہائی نرمی سے کہا: ”ایسی غلطی آئندہ نہیں ہونی چاہیے، کیوں کہ پاکستان جیسا غریب ملک سرکاری اخراجات میں فضول خرچی برداشت نہیں کر سکتا۔“

قائد اعظم نے افسر کو معاف کر دیا۔ حکم یہی تھا کہ سرکاری خرچ کو کم سے کم رکھا جائے۔ قائد اعظم کی زندگی میں کسی نے ایسی غلطی دوبارہ نہیں کی۔ قائد اعظم جیسی خوبیوں والی شخصیات ہی پاکستان جیسا ملک بنا سکتی ہیں۔



بلا عنوان انعامی کہانی

محمد اقبال ٹرسٹ



ابھی صداقت صاحب نے ورزش کی غرض سے سڑک کے کنارے دوڑنا شروع کیا ہی تھا کہ انھیں خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔ انھیں دوسارے اپنے ارد گرد منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔ صداقت صاحب شہر کے ایک بہت بڑے صنعت کار تھے۔ وہ باقاعدگی سے ورزش کیا کرتے تھے، مگر آج نہ جانے کیوں انھیں کوئی گڑبڑ محسوس ہوئی۔ ان کا اندیشہ صحیح نکلا، دو آدمی ان کے تعاقب میں تھے، جب کہ ایک سرخ رنگ کی کار بھی قریب ہی موجود تھی۔ انھوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جب کہ وہ دونوں افراد ان کے پیچھے مسلسل دوڑ رہے تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ ان کے اغوا کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ دوڑ لگاتے

ہوئے کافی دور نکل آئے۔ سامنے ایک بستی تھی۔ وہ تیزی سے اس میں داخل ہو گئے، جب کہ دونوں اغوا کار تھکن سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے تھے۔ دونوں ایک جگہ رک گئے تھے۔ جب ان کی سانسیں بحال ہوئیں تو ایک بولا: ”ہمیں یہاں چھپ کر اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔“

”ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم تو مزید اب دوڑ بھی نہیں سکتے ہیں۔“ پھر دونوں ایک مناسب جگہ تلاش کر کے ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر صداقت صاحب کو اس بستی میں ایک گھر کا دروازہ کھلا ملا تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس میں داخل ہو گئے۔

☆.....☆.....

اسی بستی میں رئیس نامی ایک شخص رہا کرتا تھا۔ وہ صرف نام کا رئیس تھا۔ اس کے مالی حالات آج کل کچھ خراب چل رہے تھے۔ اسی وجہ سے آج کل اس کی بیوی رقیہ اس سے جھگڑتی رہتی تھی۔ آج تو صبح ہی صبح پیسوں کی تکرار پر ان کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ رئیس بھی کافی غصے میں لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان کی لڑائی طول پکڑتی اس نے غصے سے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا اور وہ فوراً باہر کی طرف چل پڑا، جب کہ رقیہ صرف گھورتی ہی رہ گئی۔

ابھی تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ اچانک کوئی بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا۔ رقیہ نے اسے دیکھا تو بولی: ”اچھا تو آ گئے واپس۔ بس اتنی ہی دیر کا غصہ تھا تمہارا؟ اور..... اتنی جلدی یہ کیڑے کہاں سے بدل لیے اور وہ بھی اتنے قیمتی کس کے چرا لیے؟“ وہ صداقت صاحب تھے، بولے: ”دیکھیں محترمہ اس طرح گھر میں داخل



ہونے کی معافی چاہتا ہوں۔ دراصل کچھ لوگ اغوا کی نیت سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ آپ کے گھر کا دروازہ کھلا پایا تو اندر داخل ہو گیا۔ مجھے غلط مت سمجھیے گا۔“

رقیہ حیرت سے ان کی گفتگو سنے جا رہی تھی۔ وہ بولی: ”ارے کیا ہو گیا ہے تمہیں یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔“

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتے اچانک ان کی نظر دیوار پر لگی ایک تصویر پر گئی: ”یہ..... یہ..... تصویر کس کی ہے؟“

رقیہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی: ”بتاؤ خود کی تصویر کا پوچھ رہے ہیں کہ کس کی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ سچ مچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”کیا! یہ تو ہو بہو میرے جیسا ہے۔ یہ..... یہ کہاں ہیں۔“ وہ تصویر کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

رقیہ منھ ہی منھ میں بولی: ”مجھے لگتا ہے کہ یہ اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے مذاق کا ماحول پیدا کرنا چاہ رہے ہیں تو پھر ایسے ہی سہی۔“ پھر وہ ان سے مخاطب ہوئی: ”تمھاری ہی تصویر ہے اور میں تمھاری بیوی ہوں اور ابھی ابھی تم سے میرا جھگڑا ہوا ہے اور تم غصے کی حالت میں دروازے پر ٹھوکر مارتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔“ یہ سن کر وہ چونکے۔

وہ بولے: ”او میرے خدایا یہ تو ہو بہو میرا ہم شکل ہے اور یہ باہر کی طرف گیا ہے۔ کہیں اغوا کار میرے دھوکے میں اسے اغوا کر کے نہ لے جائیں۔“ یہ سن کر رقیہ ان کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

..... ☆ ☆

رئیس غصے کی حالت میں نکل کر باہر کی طرف چل پڑا۔ دونوں اغوا کار جو چھپے بیٹھے تھے، جیسے ہی ان کی نظر اس پر پڑی وہ چونکے ہو گئے۔ ایک بولا: ”دیکھو خود کو کتنا چالاک سمجھتا ہے۔ کپڑے تبدیل کر کے آ گیا، تاکہ ہم اسے پہچان نہ سکیں۔“

دوسرا بولا: ”ہاں، مگر ہم سے زیادہ چالاک نہیں۔“ وہ دونوں فوراً اس کے سامنے آ گئے۔ دونوں نے اپنے پستول نکال لیے۔ اسی دوران سرخ رنگ والی گاڑی بھی آ گئی۔ دونوں نے آنا فانا پستول کے زور پر اسے کار میں دھکیل دیا۔ رئیس کے چہرے پر حیرانی اور پریشانی دونوں عیاں تھیں۔ گاڑی میں بٹھاتے ہی ایک نے اسے رومال سنگھایا۔ چند لمحوں میں ہی وہ بے ہوش ہو گیا۔ گاڑی فرارے بھرتی ہوئی آگے کی طرف چل پڑی۔

رئیس کو جب ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کمرے میں پلنگ پر پڑا پایا۔ اس نے

کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کمرے میں ایئر کنڈیشن لگا ہوا تھا، جس کی وجہ سے کمرہ خوب ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ بڑی اسکرین والا ایک عددی وی رکھا ہوا تھا۔ ایک ڈی وی ڈی پلیئر اور کچھ سی ڈیز بھی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید اسے اغوا کر لیا گیا ہے، لیکن اس کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اسے اغوا کیوں کیا گیا ہے۔ ابھی وہ سوچوں میں گم تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک شخص اندر داخل ہوتے ہی بولا: ”کہیے صداقت صاحب! یہاں کسی چیز کی کمی تو نہیں ہے؟“

اس نے چونک کر دیکھا، پھر بولا: ”دیکھیں میں صداقت نہیں، رئیس ہوں۔“ وہ شخص مسکراتے ہوئے بولا: ”ہمیں معلوم ہے کہ تم رئیس ہو، جیسی تو ہم نے تمہیں اغوا کیا ہے، تاکہ تمہاری رہائی کے بدلے لاکھوں روپے سمیٹ سکیں۔“ یہ سن کر رئیس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ بولا: ”میرے گھر والوں سے جب لاکھوں روپے سمیٹ لو تو ان میں سے چند ہزار مجھے بھی دے دینا۔“ یہ سن کر وہ شخص اسے معنی خیز نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر وہ اپنا موبائل فون نکالتے ہوئے بولا: ”اپنے گھر کا نمبر بتاؤ۔“ رئیس بولا: گھر کا نمبر تو نہیں ہے، پڑوسی کا ہے۔“ یہ سن کر وہ چونکا، پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بولا: ”لگتا ہے کلور و فارم کچھ زیادہ ہی اسے چڑھ گیا ہے۔“

”اچھا جو بھی نمبر ہے وہ بتا دو۔“ رئیس نے نمبر بتایا۔ پھر وہ نمبر ملانے لگا۔

..... ☆ ☆

صداقت صاحب تصویر کو ٹکٹ کی باندھ کے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ بولے: ”دیکھیں محترمہ! میں آپ کا شو ہر نہیں ہوں۔ میرا نام صداقت ہے۔ کچھ لوگ مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ میں ان سے چھپنے کی غرض سے اس بستی میں پہنچ گیا۔ آپ کے گھر کا دروازہ کھلا پایا تو اندر آ گیا۔“

”کیا؟“ رقیہ حیرت سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

”اب یہ اتفاق ہے کہ آپ کے شو ہر کی شکل ہو بہو مجھ سے ملتی ہے۔ اب مجھے ڈر ہے کہ وہ میرے دھوکے میں انہیں نہ اغوا کر کے لے جائیں۔“ یہ سن کر رقیہ نے فوراً اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ پھر صداقت صاحب تیزی سے باہر کی طرف لپکے۔

ابھی کچھ ہی گھنٹے گزرے ہوں گے کہ جیلہ نامی خاتون بھاگتی ہوئی رقیہ کے پاس آئیں اور بولی: ”رئیس بھائی کا فون ہے، جلدی سے آؤ۔“

رقیہ فوراً اس کے گھر پہنچی اور فون کو کان سے لگاتے ہوئے بولی: ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے رئیس کی آواز اُبھری: ”ہاں رقیہ! یہ میں ہوں رئیس۔ مجھے کچھ لوگوں نے نہ جانے کیوں اغوا کر لیا ہے۔“

اسی دوران ایک دوسری آواز اُبھری: ”دیکھو! اگر تم اپنے شو ہر کو صحیح سلامت دیکھنا چاہتی ہو تو فوراً پچاس لاکھ کا بندوبست کرو اور خبردار پولیس کو خبر کی تو انجام ٹھیک نہ ہوگا۔ میں تمہیں تین گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا۔“ فون منقطع ہو گیا۔ رقیہ گم سم رہ گئی۔

پھر وہ اپنے گھر آ گئی۔

تھوڑی دیر میں صداقت صاحب پھر رئیس کے گھر پر تھے۔ دستک پر رقیہ نے دروازہ کھولا تو صداقت صاحب کو دیکھ کر چونکی: ”آپ نے صحیح کہا تھا۔ ابھی ابھی اغوا کاروں

کافون آیا تھا۔ ان کو چھوڑنے کے بدلے میں پچاس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔“

یہ سن کر صداقت صاحب چونکے۔ ”اوہ! تو مجھے جس کا ڈر تھا وہ ہی ہوا۔ اب مجھے کچھ کرنا ہوگا۔“ یہ کہہ کر انھوں نے موبائل پر ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ کر کے انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا، پھر ان کی ہدایات سن کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

پھر وہ رقیہ سے مخاطب ہوئے: ”دیکھیں آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کے شوہر کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کے شوہر میری وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں تو میں ہی ان کو نکالوں گا۔ دیکھیں ڈی آئی جی صاحب نے کہا ہے کہ اب دوبارہ اغوا کاروں کا فون آئے تو آپ ان سے رقم کچھ کم کرنے کا مطالبہ کریں پھر جو بھی ملے ہو، راضی ہو کر پوچھیں کہ کہاں پر رقم لانی ہے۔ وہ ہماری مدد کے لیے انسپکٹر شاہد کو بھیج رہے ہیں۔ باقی وہ سنبھال لیں گے۔“

رقیہ کے آنسو رواں تھے۔ تین گھنٹے بعد دوبارہ اغوا کاروں کا فون آیا۔ رقیہ نے بالکل ایسے ہی کہا جیسا کہ صداقت صاحب نے کہا تھا۔ مجرم خود کو چاہے کتنا ہی عقل مند سمجھے، مگر قانون کے شکنجے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ انسپکٹر شاہد نے نہایت ہوشیاری اور عمدہ منصوبہ بندی سے آخر ان اغوا کاروں کو گرفتار کر لیا۔ رئیس آزاد ہو گیا۔ اب وہ اپنے گھر پر تھا۔

آج رقیہ بیگم بہت خوش تھیں۔ رئیس یہ نہیں سمجھ پایا کہ آخر اغوا کاروں نے اسے اغوا کیوں کیا تھا۔ جب رقیہ بیگم نے تمام حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ حیرت کا مجسمہ بن گیا۔ اسی دوران صداقت صاحب بھی آگئے۔ جب رئیس نے انھیں دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ ہو بہو ان ہی کا دوسرا روپ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیر تک دیکھتے رہے۔ صداقت صاحب بولے: ”کیا تم بھی وہی سوچ رہے ہو، جو میں سوچ رہا ہوں۔“

رئیس گم صُغم ہی کھڑا تھا۔ صداقت صاحب بولے: ”آج سے ٹھیک تیس سال پہلے دو جڑواں بھائی اپنے والد کے ساتھ ریل میں کہیں جا رہے تھے۔ جس گاڑی پر وہ سوار تھے، اس پر شہر پسندوں نے حملہ کر دیا تھا، جس میں ان کے والد شہید ہو گئے اور دونوں بھائی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔“

رئیس بولا: ”ایک بھائی کو پیار سے گڈ و جب کہ دوسرے کو پو پو کہتے تھے۔“
یہ سن کر صداقت صاحب کی آنکھیں چمک اٹھیں وہ بولے: ”تو تم پو پو ہو۔“
رئیس کے منہ سے نکلا: ”اور تم گڈ و ہو۔“ یہ کہہ کر دونوں بھائی گلے مل گئے۔
رئیس نے پوچھا: ”تم اتنے مال دار کیسے ہو گئے؟“

صداقت نے جواب دیا: ”یہ الگ کہانی ہے، اطمینان سے بیٹھ کر سناؤں گا۔ کبھی کبھی قدرت انوکھے انداز میں بھی پچھڑوں کا ملاپ کراتی ہے۔ یہ اغوا ہم دونوں کے لیے بہت مبارک ثابت ہوا، جس نے دو پچھڑے بھائیوں کو آپس میں ملا دیا۔ جب کہ رقیہ بیگم دونوں بھائیوں کو ملتا ہوا دیکھ کر دوپٹے سے اپنے خوشی کے آنسو صاف کرنے لگیں۔ ☆

اس بلا عنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۰۳ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- مئی ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔
کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نو نہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نو نہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔
نوٹ: ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

علم در پے
زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی نوٹوں کا پی، ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

لڑکے کی عقل مندی

گھمنڈ نہ کر

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

مرسلہ : عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

ایک دفعہ امام ابو حنیفہؒ کہیں جا رہے تھے۔ راہ میں ایک لڑکے کو کیچڑ میں چلتے ہوئے دیکھا۔ آپؒ نے فرمایا: ”اے لڑکے! ذرا ہوش سے چل، کہیں پھسل نہ جائے۔“ لڑکے نے جواب دیا: ”اگر میں پھسل کر گروں گا تو تنہا گروں گا، لیکن آپ سنبھل کر چلیں۔ آپ کا پاؤں پھسل گیا تو تمام مسلمان پھسل جائیں گے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اور پھر سب کا اٹھنا دشوار ہوگا۔“ آپ کو اس لڑکے کی عقل مندی پر تعجب ہوا اور آپ رو پڑے۔ اپنے مریدوں سے فرمایا: ”اگر تم کو کسی مسئلے پر شبہ ہو اور کوئی مضبوط دلیل موجود نہ ہو تو اس میں میری پیروی نہ کرو اور اپنی تحقیق جاری رکھو۔“

ایک نیک آدمی حجاز کے سفر پر بڑے ذوق شوق سے روانہ ہوا۔ ہر قدم پر دو رکعت نماز ادا کرتا تھا اور اگر پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جاتا تو بندگی کے شوق میں اسے پاؤں میں ہی رہنے دیتا۔ شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تجھ سے بڑھ کر عبادت گزار اور راہ خدا میں مصیبت برداشت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

قریب تھا کہ یہ وسوسہ اس کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتا کہ غیب سے آواز آئی: ”اگر تُو نے عبادت کی ہے تو گھمنڈ نہ کر۔“

یہی وجہ تھی کہ ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل میں آپ سے اختلاف کیا ہے۔
 شدہ ہیں۔ وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی

طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر

فتویٰ

آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا۔

ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انھیں

نیند میں بولنے اور چلنے کی بیماری تھی اور وہ

سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے۔ حالانکہ

ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل

بھی۔ انھیں کھیل کود کا شوق بھی تھا، لیکن فقط

اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہولیا کرتے۔

ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں

ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور

گیند لے کر خود گول کر دیا۔

ایک دن کسی نے کہا: ”ماسٹر صاحب!

آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو

کھلاڑی ہیں۔“

ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا:

”نمبر ایک کھلاڑی کون ہے؟“

مرسلہ : سید عبدالہادی علی، کراچی

امام شافعیؒ کے پاس ایک آدمی

آ کر کہنے لگا: ”میں نے ایک عورت

سے شادی کی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ

وہ لنگڑی ہے۔ کیا میں اس کو طلاق دے

سکتا ہوں؟“

انھوں نے جواب دیا: ”اگر تم نے اس

کے ساتھ دوڑ لگانے کے ارادے سے

شادی کی ہے تو اس کو طلاق دے سکتے ہو۔“

ماسٹر صاحب

تحریر : شفیق الرحمن

مرسلہ : تحریم خاں، نارتھ کراچی

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار

قسم کے آدمی تھے۔ یوں تو وہ بیچلر آف

آرٹس تھے، لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ شادی

کپڑے والا

طبعی جغرافیہ

مرسلہ : شائلہ ذیشان، ملیر

تحریر : شفیق الرحمن

”آہا ہا ہا! یہ کپڑے کی دکان ہے۔“

مرسلہ : منیر نواز، ناظم آباد

کیسی جچی ہے۔ اوپر سے نیچے تک تھان ہی

ایک نظامِ شمسی ہوتا ہے، جس میں

تھان ہیں۔“

سورج اپنے گرد گھومتا ہے۔ زمین سورج

دکان دار کسی بی بی کو ساڑھی پہن کر

کے گرد گھومتی ہے۔ چاند زمین کے گرد

دکھارہا ہے، مونچھیں مٹکا رہا ہے اور جتا رہا

گھومتا ہے، لیکن چاند غریب کے گرد کچھ

ہے کہ بی بی جی! یہ ساڑھی لنڈی کوتل کی

بھی نہیں گھومتا۔

ہے۔ دوسو روپے میں مفت ہے۔“

ہمیں چاند سے ہمدردی ہے۔ سارے

”میاں دکان دار! کپڑے کی دام

ستارے چمکتے ہیں اور سیارے سیر کرتے

کیوں بڑھا دیے ہیں؟“

رہتے ہیں۔ ویسے نظامِ شمسی کے سارے ممبر

”حضور! آپ کا معیارِ زندگی بلند

صبح سے شام تک کچھ کام نہیں کرتے۔ ادھر

کر رہا ہوں۔“

ادھر آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں۔ افواہ

”منہگائی کر کے گاہکوں کے کپڑے

ہے کہ ان کے گھومنے سے موسم بدلتے ہیں،

کیوں اتارتے ہو؟“

لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب خشکی بڑھ جائے

”حضور! ان کے کپڑے نہ اتاروں

تو سردی کا موسم آ جاتا ہے اور جب دھوپ

تو کپڑے کے نئے میل کہاں سے کھڑے

ہو جائے گرمیاں آ جاتیں ہیں۔ یہ طبعی

کروں؟ قوم کی خدمت کیسے کروں؟“

جغرافیہ ہے۔

معلومات کا خزانہ

کتاب

مرسلہ : محمد عمر رشد، کراچی

مرسلہ : کوئل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

☆ دنیا میں سب سے زیادہ کھائی جانے والی سبزی آلو ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے پاس عربی کی ایک نایاب کتاب تھی۔ ایک مولوی صاحب کو اس کی ضرورت تھی۔ ڈپٹی صاحب نہ تو

☆ آلو میں ۷۸ فی صد پانی ہوتا ہے۔

انکار کر سکتے تھے اور نہ دینا چاہتے تھے۔

☆ اگر چھلے ہوئے آلو کو دیر تک اُبالا جائے تو حیاتین ”ج“ (وٹامن سی) کا

انہوں نے مولوی صاحب کی طرف یہ کہتے ہوئے کتاب بڑھائی: ”کتاب بہت اچھی

زیادہ حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

ہے، لیکن جلد سؤر کے چمڑے کی ہے۔“

☆ کاغذ سب سے پہلے چین میں بنایا گیا۔

مولوی صاحب لاجول پڑھتے ہوئے

☆ دنیا میں گلاب کی کل ۷۹۲ اقسام ہیں۔

پیچھے ہٹ گئے اور کتاب لینے سے انکار کر دیا۔

☆ پوری دنیا میں ۳۰۶۴ زبانیں بولی جاتی ہیں۔

کھٹا میٹھا

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

☆ بجلی کا نام ولیم گلبرٹ (WILLIAM GILBERT) نے رکھا تھا۔

اگر آپ کسی شخص کو یہ بتائیں کہ

☆ بلب اور سینما مشین کے موجد امریکی

آسمان پر تین سو بلین ستارے ہیں تو وہ

☆ سائنس داں ”ایڈیسن“ تھے۔

یقین کر لے گا، لیکن اگر آپ یہ کہیں گے کہ

☆ کارٹون فلموں کے موجد ”والٹ

کرسی پر ابھی ابھی رنگ کیا ہے تو وہ فوراً

☆ ”ڈزنی“ ہیں۔

☆ کرسی کو چھو کر دیکھے گا۔

شاہین بچہ

حمیرا سید

زین شام کو اپنے گھر کے لان میں کھیل رہا تھا کہ اسے کسی پرندے کے چھپھانے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کے دیکھا تو ایک درخت کی شاخ پر ایک خوب صورت سا پرندہ بیٹھا اپنی خوب صورت آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ شاہین کا بچہ تھا۔ علامہ اقبال اپنی قوم کے جوانوں کو شاہین سے تشبیہ دیتے ہیں۔

جوانوں کو میری آہِ سحر دے

پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

شاہین (پرندے) کو مفکرِ پاکستان علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں ایک

علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ زین حیران تھا کہ شاہین کا بچہ اس طرف کہاں آ نکلا

ہے۔ یہ تو پہاڑوں پر بسیرا کرنے والے پرندے ہیں۔ زین کو وہ پرندہ بہت پسند آیا۔

اس نے کوشش کر کے درخت پر چڑھ کر اسے پکڑا اور پنجرے میں بند کر دیا۔

”بھائی! پرندوں کو قید کرنا بہت بُری بات ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض

ہوتا ہے اور پھر یہ تو کوئی معمولی پرندہ نہیں ہے۔ یہ شاہین کا بچہ ہے۔ میں نے کتاب میں

پڑھا ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں شاہین میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو ایک

مومن اور اچھے انسان میں ہونی چاہئیں۔ آپ اس پرندے کو آزاد کر دیں۔“

زین کی بہن رباب بہت ذہین تھی۔ وہ اسے کتاب میں پڑھی ہوئی باتوں کے

ذریعے سمجھاتی، مگر زین یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیتا کہ میں پرندے کا بہت خیال

رکھوں گا اور اسے کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ زین بھی اپنے اسکول کی کلاس کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ اس نے بھی اپنی کتاب میں یہی پڑھا تھا کہ اس پرندے میں بہت سی اخلاقی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ خود دار اور غیرت مند ہے۔ کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ بلند پرواز اور تیز نگاہ ہے۔ کسی کی قید میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ شاہین کا بچہ عقل مند تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں بھی بچہ ہوں، کیوں نہ کچھ وقت بچوں کے ساتھ گزار لوں۔ یہ زین اور رباب تو بہت پیارے بچے ہیں۔ یہ جو باتیں اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں وہ میرے متعلق ہی تو ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب زین درخت پر چڑھ کر اسے پکڑنے آ رہا تھا وہ اڑ کر کہیں جاسکتا تھا، لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زین کے ہاتھوں میں آ جاؤں اور ان دونوں کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔

علامہ اقبال کا یہ کہنا ہے کہ جو بات شاہین کی بلند پرواز کی ہے وہ کسی اور پرندے میں نہیں۔ اسی طرح وہ اپنی قوم کے نوجوانوں میں وہ اعلا اوصاف پیدا کرنا چاہتے تھے جو کسی اور قوم کے نوجوانوں میں نہیں۔

گزاراوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیا باں میں
کہ شاہین کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

شاہین کا بچہ جان بوجھ کر پنجرے میں خاموش رہتا۔ ایک شام زین اپنے گھر کے لان میں لیٹا ہوا تھا۔ پرندے کا پنجرہ بھی قریب رکھا ہوا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ لان میں ہر طرف رنگ رنگ کے خوب صورت پھول کھلے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ زین گہری نیند سو گیا تھا کہ اچانک پرندہ بولنے

لگا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت حیران اور خوش ہوا کہ آج پرندہ واقعی بول پڑا ہے۔ زین نے سوچا یہ آج اپنی خوب صورت آواز میں وہ گیت بھی سنائے گا جو وہ اس دن درخت پر بیٹھا گارہا تھا، لیکن جب اس نے غور کیا تو پتا چلا کہ شاہین کا بچہ تو آہیں بھر رہا تھا۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو، میں بلند پرواز شاہین کا بچہ ہوں اور پنجرے کی سخت زندگی کو ناپسند کرتا ہوں، کیوں کہ میری زندگی درویشوں کی سی ہے۔ میں اپنے قوتِ بازو پر انحصار کرتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ سے کچھ نہیں کھاؤں گا۔ اپنا شکار خود کرنا جانتا ہوں۔ دوسرے پرندوں کا شکار نہیں کھاتا ہوں۔ آرام طلب نہیں ہوں۔ تند و تیز ہوا میں بھی میری پرواز میں کمی نہیں لاسکتیں۔ تمہاری کتاب میں صحیح تو لکھا ہوا ہے:

شدی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

شاہین کا بچہ بڑے دکھ بھرے انداز میں آہیں بھر کر کہہ رہا تھا: ”آہ! مجھے گزرا ہوا وقت یاد آ رہا ہے۔ وہ بھی کیا دن تھے جب باغوں میں بہار ہوتی تھی اور میں پہاڑ کے دامن میں اپنے سب دوست اور ساتھی پرندوں کے ساتھ مل کر چہچہاتا تھا۔ اب مجھے ویسی آزادی کب ملے گی۔ دوستوں کے ساتھ وہ پیارے منظر یاد آتے ہیں۔ جب باغوں میں پھولوں پہ شبنم گرتی تھی اور پھر کلیاں مسکراتی تھیں تو اس سے میرے دل کو بہت دکھ ہوتا تھا۔ ساتھی پرندوں کے ساتھ بلند پروازی میں مزا آتا تھا۔ اب ان کی آواز تک میرے پنجرے میں نہیں آتی۔ کاش! میری رہائی میرے بس میں ہوتی اور میں اڑ کر اُن تک پہنچ جاتا۔ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔ میرے

ساتھی پرندے تو وطن میں ہیں اور میں یہاں پنجرے میں بند ہوں۔ اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔ مجھے آزاد کر دو۔ میرا دل غمگین ہے اور یہ میرے دل کی فریاد ہے۔ تم دونوں اچھے بچے ہو، اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہو، اچھی باتیں سیکھتے ہو، لیکن مجھے پنجرے میں قید کرنا تو اچھی بات نہیں ہے نا۔“

زین کے چہرے پر پانی کی ایک بوند ٹپکی، جیسے پرندے کا آنسو اس کے چہرے پر گرا ہو۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے پرندے کی طرف دیکھا جو گردن موڑ کر اُداس نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زین اٹھا اور پنجرے کو ہاتھ میں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: ”واقعی پیارے پرندے اڑتے ہوئے اچھے لگتے ہیں اور پھر تم تو معمولی پرندے نہیں ہو۔ شاہین کے خوب صورت بچے ہو۔ ہماری کتاب میں لکھا ہے۔ علامہ اقبال شاہین سے بہت پیار و محبت کرتے تھے اور اپنی شاعری اور باتوں میں شاہین کو ہی تشبیہ دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دورِ حاضر میں نوجوانوں کو حقیقی شاہین بنانے کے لیے ان میں شاہین کی صفات پیدا کرنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے دلوں میں اپنے دین سے محبت، اپنے وطن سے بھی محبت پیدا کی جائے۔ ان کو حقیقی اور سچا مسلمان بنایا جائے۔ میں بھی حقیقی اور سچا مسلمان بچہ ہوں۔ میں نے کتاب کی ان سبق آموز باتوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں ظالم نہیں ہوں۔ پرندوں سے بہت پیار کرتا ہوں۔ تم شاہین کے پیارے بچے ہو۔ تم درخت پر بیٹھے مجھے بہت اچھے لگے اور میں نے دل بہلانے کے لیے تمہیں پکڑا اور کچھ دیر کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ میں آئندہ کبھی کسی پرندے کو قید نہیں کروں گا۔

اب تم آزاد ہو اور اپنے دوست زین کو معاف کر دینا، جس نے تمہیں جان بوجھ کر قید نہیں کیا تھا۔

یہ کہہ کر زین نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ پرندہ پکڑ سے اڑ کر ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ کر چھپھانے لگا، جیسے زین سے کہہ رہا ہو: ”ہاں، ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم میرا شکر یہ ادا کر رہے ہو۔ تم نے جو کچھ اپنی کتاب میں پڑھا ہے، اس پر عمل بھی کرتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے والدین نے تمہاری اچھی تربیت کی ہے اور اچھی تربیت کے لیے اچھے ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھی بہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ رباب تمہاری اچھی بہن ہے اور سبق آموز باتوں سے تمہاری اصلاح کرتی ہے۔“

زین نے خالی پنجرہ اٹھایا اور گھر کے اندر جا کر اسٹور میں رکھ دیا۔ پیچھے کھڑی منگھی رباب بولی: ”بھائی! آپ نے یہ بہت اچھا کیا کہ پرندے کو آزاد کر دیا، ورنہ کل آپ پرندے کی جگہ ہوتے اور پرندہ آپ کی جگہ پر۔“

”کیا کہا؟ ٹھیکرو! میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر زین اپنی بہن کے پیچھے بھاگا۔

”نوناہلو! اقبال کا شاہین اور نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ، کے کام میں دل جوئی سے حصہ لو۔ پاکستان سے محبت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو۔“

ٹو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

بیت بازی

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

شاعر: علامہ اقبال پسند: نعت ناصر، فیصل آباد

سخت جانی کا نہیں کوئی علاج اے آزاد
ورنہ اس دور میں مرنے کے بہانے ہیں بہت

شاعر: جگن ناتھ آزاد پسند: علی حیدر لاشاری، لاہور

ہم پھول ہیں، اوروں کے لیے لائے ہیں خوش بو
اپنے لیے لے دے کے بس اک داغ ملا ہے

شاعر: ساحر لدھیانوی پسند: عاقب خان ہمدون، ایبٹ آباد

کس قدر قحطِ وفا ہے مری دنیا میں ندیم
جو ذرا ہنس کے ملے، اس کو مسیحا سمجھوں

شاعر: احمد ندیم قاسمی پسند: پارس احمد، اورنگی ٹاؤن

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں

شاعر: حامد اللہ افسر پسند: ناجیہ وسیم، کراچی

نقش گزرے ہوئے لمحوں کے ہیں دل پر کیا کیا
مڑ کے دیکھوں تو نظر آتے ہیں منظر کیا کیا

شاعر: مشفق خواجہ پسند: برکت علی، ملتان

مدتیں گزریں اسی بستی میں، لیکن اب ملک
لوگ ناواقف، فضا بیگانہ، ہم نا آشنا

شاعر: احمد فراز پسند: سیدہ اریہ بٹول، کراچی

تم راہ میں چپ چاپ کھڑے ہو تو گئے ہو
کس کس کو بتاؤ گے کہ گھر کیوں نہیں جاتے

شاعر: بشیر بدر پسند: شائستہ خاور، ملیر

جو بھی شے دور سے خوب صورت لگے
اس کو نزدیک سے دیکھنا چاہیے

شاعر: محسن بھوپالی پسند: وجیہ متین، نارتھ کراچی

کوئی گلہ، کوئی شکوہ رہے تم سے
یہ آرزو ہے کہ اک سلسلہ رہے تم سے

شاعر: شاذ حکمت پسند: عبدالحمیم، کوئٹہ

ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا، لیکن
لوگ کہتے ہیں، اندھیروں سے نکل آئے ہیں

شاعر: اختر گلکندی پسند: شائم عمران، کراچی

اللہ اللہ، بزمِ نو کے چراغ
روشنی کم، دھواں زیادہ ہے

شاعر: رحمان خاور پسند: سید ناصر علی ہاشمی، کورنگی

سر دیوار قصیدے تو بہت دیکھے تھے
پر کسی دن بس دیوار بھی دیکھا ہوتا

شاعر: حجاب تبسم پسند: محمد فراز نواز، کراچی

میں اپنے ساتھ بہت دور جا نکلتا ہوں
اگر کبھی مجھے فرصت ذرا بھی ملتی ہے

شاعر: سودھائی پسند: محمد منیر نواز، کراچی

پاکستان - رب کریم کا احسان

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمان خصوصی معروف قلم کار، چیئر مین اسس گروپ محترم الحاج شیخ مختار احمد اصلاحی تھے۔ متولیہ و نائب صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، محترمہ ڈاکٹر ماہم منیر احمد نے بھی اجلاس میں خصوصی شرکت کی۔ رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی بھی اجلاس میں شریک تھے۔ یوم پاکستان کے موقع پر اس اجلاس کا موضوع تھا:

”پاکستان - رب کریم کا احسان“

اسپیکر اسمبلی نونہال ادیبہ اشتیاق تھیں۔ تلاوت قرآن مجید نونہال اسامہ شعیب نے، حمد باری تعالیٰ نونہال تنزیل اکبر نے اور نعت رسول مقبول نونہال عمر جاوید نے پیش کی۔ نونہال مقررین میں عیسا سحر، ماہ نور خان اور عمران شکیل شامل تھے۔ ان نونہالوں نے وطن عزیز سے بھرپور محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس عطیہ خداوندی کے لیے شکر گزار بندے بننے پر زور دیا۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے نونہالوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایسی پاک سرزمین عطا فرمائی جو بے شمار نعمتوں سے مالا مال ہے اور جن کے بارے میں دنیا کے بہت سے ممالک تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں کے باوجود کیا وجہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم آج بھی دوسری قوموں کے محتاج بھی ہیں اور ان سے مدد لینے پر مجبور بھی۔ یہ ظاہر جو سادہ سی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ہماری ناشکرگزاری ہے۔ اگر آج بھی ہم اللہ کے شکر گزار بندے بن کر تعمیر وطن کے لیے کمر بستہ ہو جائیں



ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم الحاج شیخ مختار احمد اصلاحی انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ

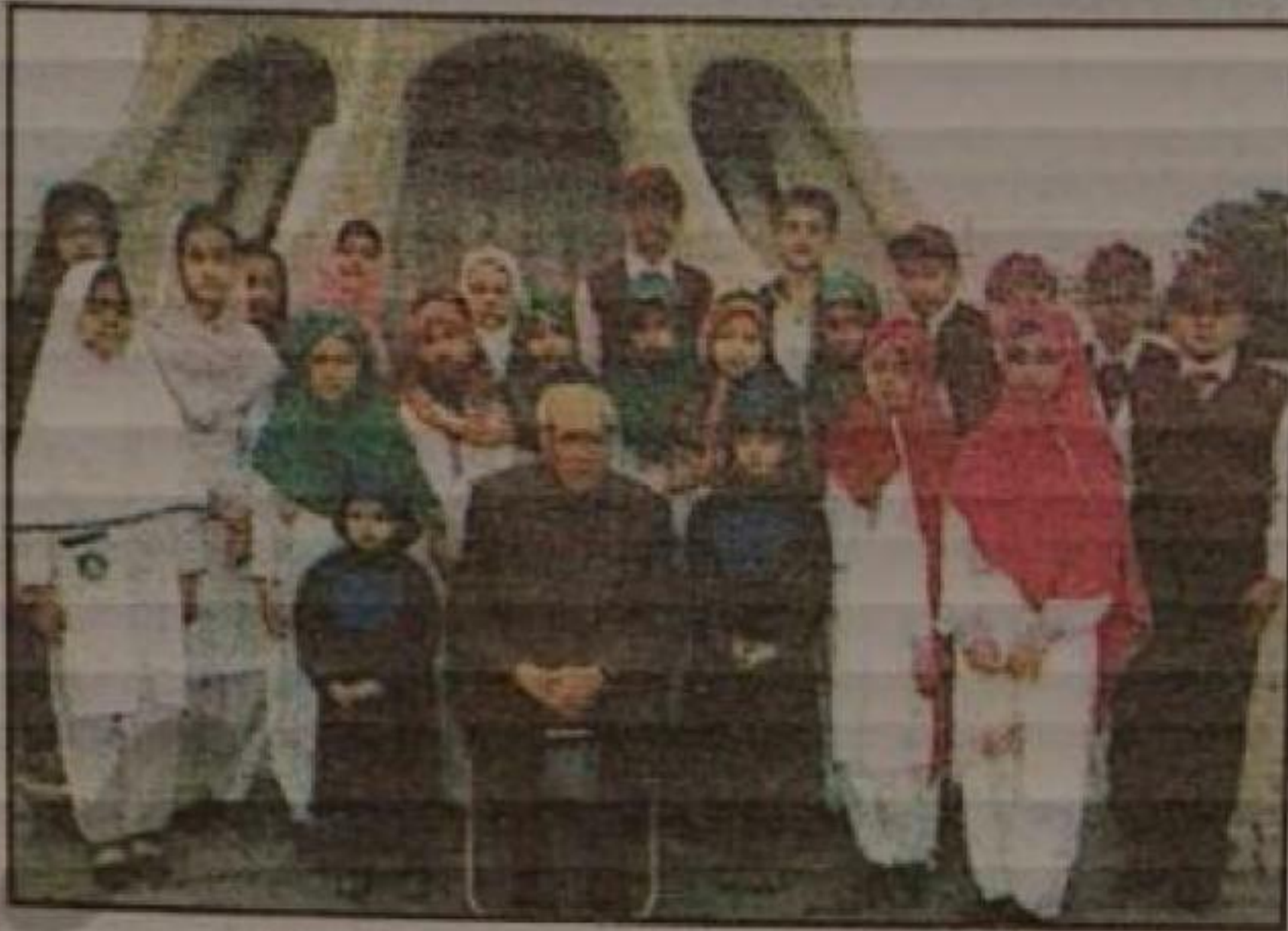
تو چند ہی برسوں میں ہمارا مقام اقوامِ عالم کی پہلی صف میں ہو سکتا ہے۔ ضرورت صرف اُن تھک محنت کی ہے۔

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر اور بابائے قوم حضرت قائد اعظم کی بے مثل فہم و فراست کی تصویر پاکستان ہماری جان، ہماری شان اور ہماری آن ہے۔ اس کی حفاظت ہم سب کا اجتماعی فرض ہے۔

مہمانِ خصوصی نے کہا کہ پاکستان کا مطلب سمجھو اور اس پر عمل کرو، تاکہ یہ وطن مضبوط ہو اور اس کا پرچم بلند رہے۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس ملک کی حفاظت کر سکیں اور اغیار کے ناپاک ارادوں کو ناکام بنائیں۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی خاطر کام کریں اور اسے بہتری کی طرف لے کر جائیں۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک سبق آموز خاکہ اور رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا۔

آخر میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعائے سعید پیش کی گئی۔



ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور

رپورٹ : سید علی بخاری

قراردادِ پاکستان، جسے پہلے

قراردادِ لاہور کہا جاتا تھا، ۲۳ مارچ

۱۹۴۰ء کو پیش کی گئی۔ اس وقت

برصغیر کے مسلمانوں میں ایک جوش

تھا۔ ان کی زباں پر ایک ہی نعرہ تھا

”لے کر رہیں گے پاکستان، بٹ

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کی تقریب میں محترم ڈاکٹر رفیق احمد

نونہالوں کے ساتھ مینارِ پاکستان کے سائے میں۔

کے رہے گا ہندستان“ قراردادِ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی نگرانی میں پیش ہوئی۔ مسلم لیگ

کی اعلیٰ نیاوت کے اجلاس میں شیر بنگال مولوی فضل حق نے اسے پیش کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ

برصغیر کے مسلمانوں کی خوشی دیدنی تھی، کیوں کہ وہ غلامی کی زنجیریں توڑنے جا رہے تھے۔

قراردادِ پاکستان کی یاد میں مینارِ پاکستان تعمیر کیا گیا۔ ”پاکستان۔ رب کریم کا احسان“

کے موضوع پر نونہالوں کی بزم اس بار مینارِ پاکستان اور پھر شاہی قلعہ کی خوب صورت عمارت میں

سجائی گئی۔ تحریکِ پاکستان کے کارکن، ماہرِ تعلیم ڈاکٹر رفیق احمد مہمانِ خصوصی تھے۔ وائس

پریزیڈنٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ڈاکٹر ماہم منیر احمد نے بھی خصوصی شرکت کی۔ نونہال مقررین

میں نوریا بابر، مہر ال قمر، ملائکہ صابر، دعا منصور، طیبہ رزاق اور سید شعیب رضوی شامل تھے۔

اس موقع پر نونہالوں نے ڈاکٹر رفیق احمد سے قراردادِ پاکستان سے متعلق سوالات

کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ نونہال تعمیرِ وطن کی خاطر سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے حصول

میں اپنی توانائیاں صرف کریں، کیوں کہ تعلیم اور خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی کا حصول ہی ہمارا

سب سے بڑا ہتھیار ہے۔





منزہ گل، سلطان پور



بہادر علی حیدر، کنڈیارو



نونہال مصور



مشعل نایاب زاہد شاہ، کراچی



عفر ریاض، حیدر آباد



سہیلہ قریشی، ہری پور ہزارہ



زہیر ذوالفقار، کراچی



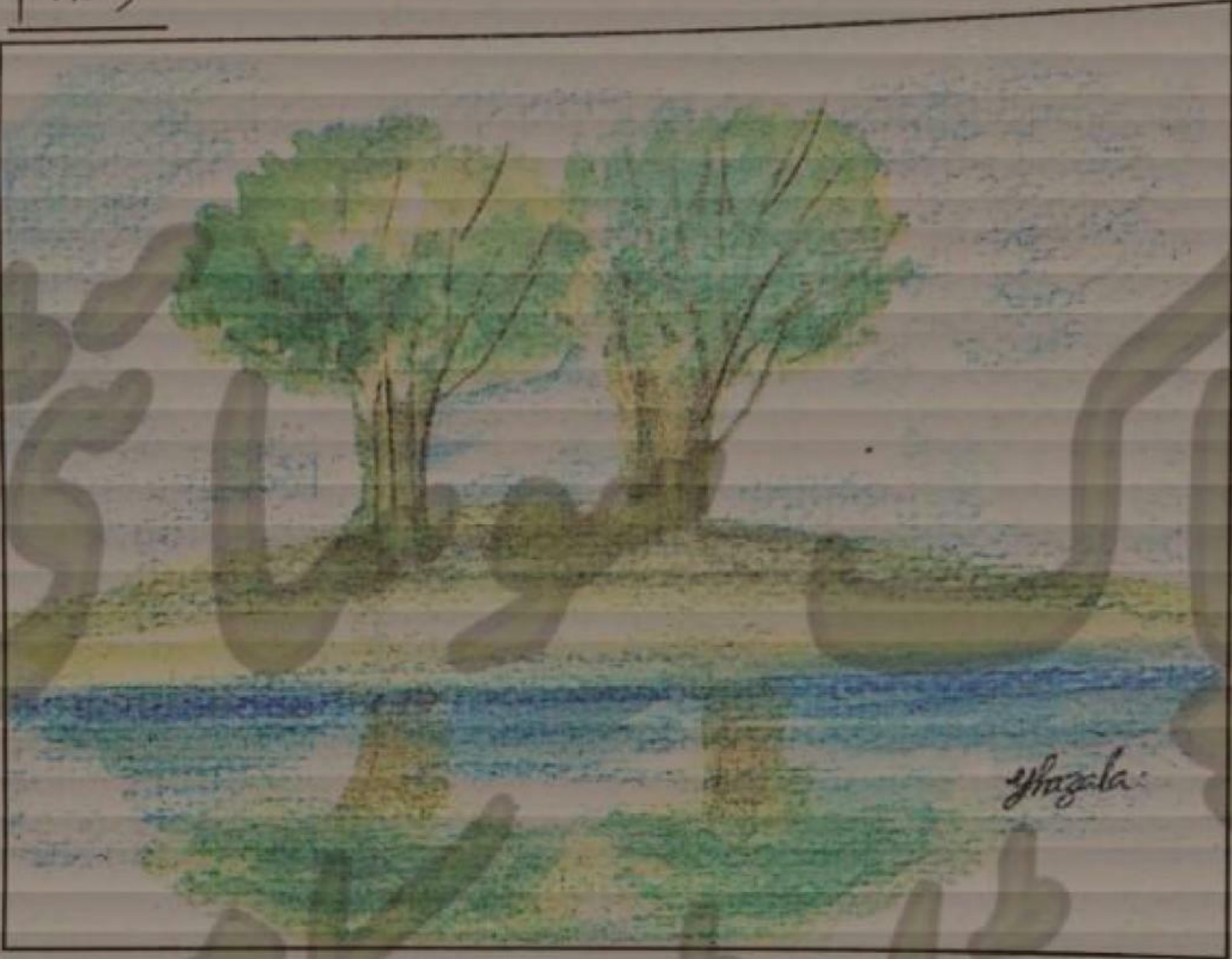
ناعمہ ذوالفقار، کراچی



عافیہ ذوالفقار، کراچی

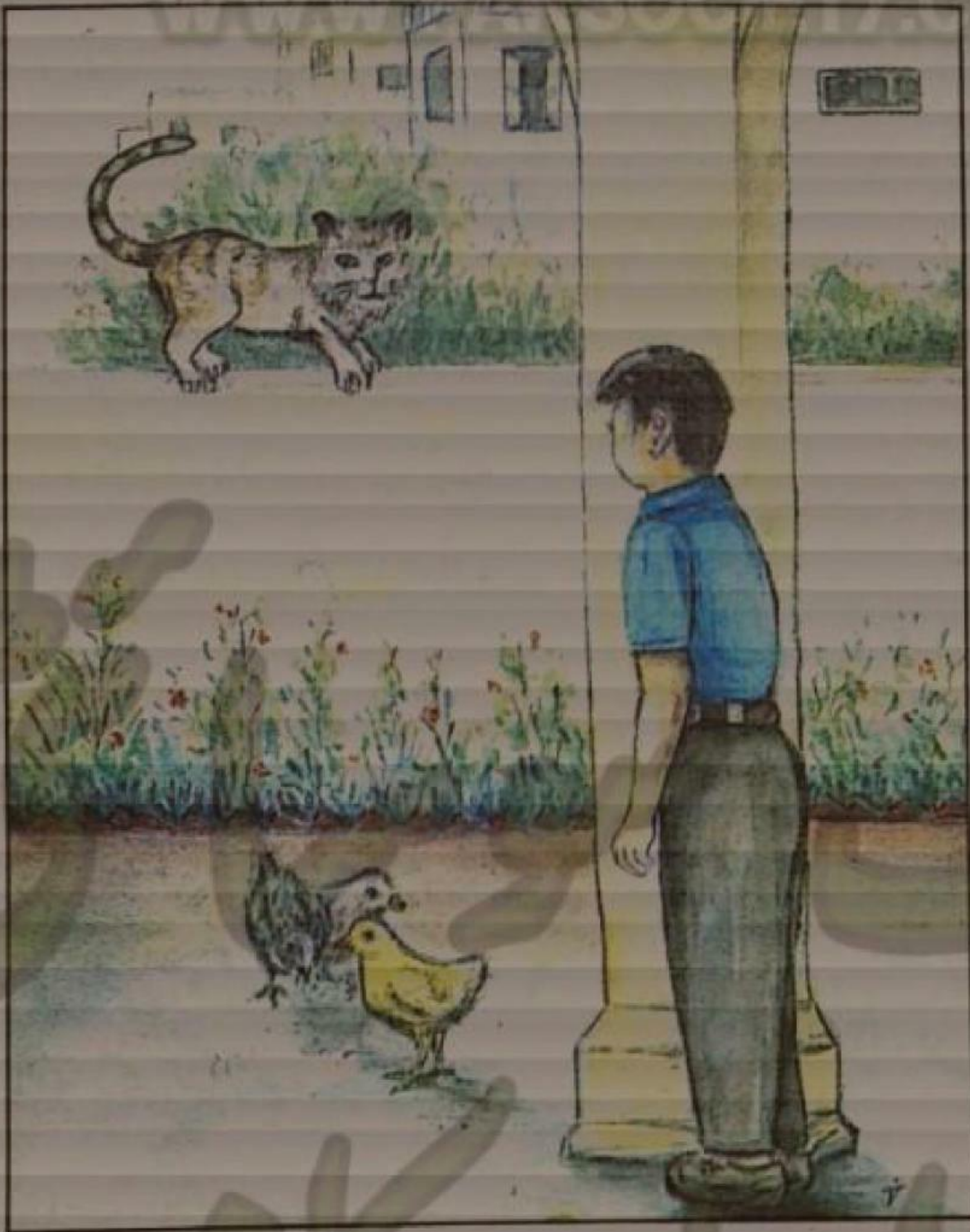
آپے مصوری سیکھیں

غزالہ امام



جب آپ قدرتی مناظر کی تصویر بناتے وقت کسی درخت، عمارت یا پہاڑ وغیرہ کا عکس قریبی جھیل یا تالاب میں دکھانا چاہتے ہوں تو منظر کو بالکل الٹا کر دیں۔ جیسا کہ آپ کو اوپر دی ہوئی تصویر میں نظر آ رہا ہے۔ پانی کی سطح پر منظر کا رخ الٹا نظر آ رہا ہے، یعنی درخت کا تنا اوپر ہے اور پتوں کا عکس نیچے ہے۔ پانی کا رنگ نیلا ہے۔ درخت کا تنا کتھئی اور پتے ہرے رنگ کے ہیں۔ اس تصویر کو سامنے رکھتے ہوئے آپ مزید تصاویر بنا سکتے ہیں۔





دشمن

جاویداقبال



جب بھی میں کوئی بطنخ کا بچہ، مرغی کا چوزہ یا خرگوش لے کے آتا وہ اسے لے اڑتا۔ کوئی بھی جانور میرے پاس چند دن سے زیادہ نہ رہا۔ مجھے حسرت ہی رہی کہ میرے چوزے بھی بڑے ہوں، مرغی یا مرغابنیں، انڈے دیں، اذانیں دیں۔ بطنخ اور خرگوشوں کے ننھے منے بچے صحن میں بھاگیں، دوڑیں، مگر میری خواہشوں پہ وہ ہر دفعہ پانی پھیر دیتا۔ وہ اس صفائی سے آتا کہ گھر میں کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔ ہم جتنی دیر میں چوزے کی چیخ و پکار سے خبردار ہوتے، وہ چوزہ دانٹوں میں دبائے دیوار پہ بھاگتا نظر

آتا۔ اکثر تو چوزے کو ”چوں“ تک کرنے کی مہلت نہ ملتی۔

کبخت قسمت کا ایسا دھنی تھا کہ اس کا تو ہر وار کامیاب ہوتا، مگر میرا ہر وار ناکام ہو جاتا۔ میرے پاس ایک ہنٹر تھا، جیسا تا نگہ چلانے والے کو چوانوں کے پاس ہوتا ہے، جسے وہ گھوڑے کو ہانکنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، مگر میں جب بھی ہنٹر سے اس پر وار کرتا وہ صاف بچ نکلتا اور میرا ہنٹر صرف دیوار کو چھو کر رہ جاتا۔ مجھے حسرت ہی رہی کہ اپنے اس دشمن کی کھال ہنٹر سے اُدھیڑ کے رکھ دوں۔ ایک بار وہ مجھے دیوار پر نظر آیا۔ میں مرغی کے انڈے جتنا پتھر لیے، اس کی تاک میں بیٹھا تھا۔ وہ میری موجودگی سے بے خبر دیوار پر جا رہا تھا۔ میں نے کھینچ کے پتھر مارا۔ آپ یقین کریں، پتھر اس کی چاروں ٹانگوں کے درمیان سے اس کے پیٹ کو چھوتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور وہ فاتحانہ نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا برابر والے گھر کی چھت پر غائب ہو گیا۔ میں نے بڑے جتن کیے کہ کسی طرح وہ میرے قابو میں آ جائے، مگر وہ قسمت کا ایسا دھنی تھا کہ ہر دفعہ صاف بچ نکلتا۔

میرے جیب خرچ میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ میں کوئی دڑبایا پنجرہ بنا سکتا یا بنا بنایا خرید لاتا۔ بس تنکوں کی بنی ایک ٹوکری تھی، جس کے نیچے میں رات کو چوزے وغیرہ بند کر دیتا۔ ٹوکری کے اوپر میں اینٹیں یا کوئی اور وزنی چیز رکھ دیتا، مگر یہ ٹوکری بھی اس کے پنچوں سے محفوظ نہیں تھی۔ وہ اپنے پنچوں کا ایسا استعمال کرتا کہ ٹوکری پہ رکھا وزن تو اسی طرح موجود ہوتا، مگر اندر سے وہ چوزہ بڑی مہارت سے نکال لے جاتا۔ ضد کا وہ پکا تھا تو ضد کا میں بھی پورا تھا۔ نہ میں چوزے لانے سے باز آتا نہ وہ انھیں کھانے سے۔

ایک کشمکش ہم دونوں میں جاری رہتی۔ وہ میرے چوزوں کی تاک میں رہتا اور میں اس کی تاک میں منصوبے بناتا رہتا۔ میرا ہر منصوبہ وہ ناکام بنا دیتا اور پھر بڑے تمسخر سے مجھے دیکھتا ہوا ساتھ والے گھر کی چھت پہ یہ جاوہ جا۔

ایک بار وہ مجھے کچھ دنوں تک نظر نہ آیا۔ میں نے سوچا شاید مرکھپ گیا ہے یا کسی اور علاقے میں چلا گیا ہے۔ ایک دن ایک پتنگ کٹ کے چھت پر آگرا۔ میں پتنگ پکڑنے چھت پر گیا تو پرانی لکڑیوں اور کاٹھ کباڑ کے درمیان مجھے اس کی جھلک نظر آئی۔ وہ بے خبر وہاں سو رہا تھا۔ میں خاموشی سے نیچے اُترا اور ہنٹر لے کر واپس آیا۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا سنہری موقع مجھے مل گیا تھا۔ اوپر جا کر میں نے لکڑیوں کے درمیان جھانکا۔ وہ ابھی تک وہاں موجود تھا۔ میں نے ہنٹر کی چھتری سے اسے ہلایا، تاکہ وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلے تو میں اس پر ہنٹروں کی بارش کر دوں، مگر خلاف توقع وہ بھاگنے کے بجائے وہیں لیٹا رہا۔ بس ذرا آنکھ کھول کر مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میں حیران ہوا اور نیچے جھک کر غور سے دیکھا تو وہ زخموں سے پور نظر آیا۔ اس کا پورا جسم گہری خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ شاید کسی دوسرے ہلے سے لڑائی میں وہ پٹ گیا تھا اور بُری طرح زخمی ہو کر اب بے بس ولا چار وہاں پڑا تھا۔ دل میں آیا کہ بڑا سا پتھر اٹھا کر اپنے دشمن کا کام تمام کر دوں، مگر اس کی بے بسی دیکھ کر میں رک گیا۔ دل میں سوچا، کسی بے بس لاچار پہ وار کرنا کہاں کی بہادری ہے۔ میں ہنٹر لے کر نیچے آ گیا۔ ہنٹر الماری میں رکھا، ایک برتن میں دودھ لیا، ساتھ روٹی لی اور اوپر جا کر اس کے قریب رکھ دیا۔ وہ جانے کب سے بھوکا تھا۔ چپڑ چپڑ دودھ پینے لگا۔ اب یہ میرا معمول

بن گیا۔ میں صبح و شام اسے دودھ اور روٹی دینے لگا۔ یہ طاقت ور غذا کھا کے چند دنوں میں ہی اس کے زخم بھر گئے اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔

پھر ایک دن وہ مجھے دیوار پر نظر آیا۔ پہلے ہی کی طرح چاق چو بند۔ میرے چوڑے صحن میں پھر رہے تھے اور میں ایک کونے میں چھپا کھڑا تھا۔ چوڑوں پر اس کے حملے سے نپٹنے کے لیے پوری طرح تیار۔ اس نے نیچے صحن میں چلتے پھرتے چوڑوں کی طرف دیکھا، مگر ان پر حملہ کرنے کے بجائے دیوار پر چلتا ہوا ساتھ والے گھر کی چھت پر غائب ہو گیا۔



گھر کے ہر فرد کے لیے مفید ماہنامہ ہمدرد صحت

صحت کے طریقے اور جینے کے قرینے سکھانے والا رسالہ

✧ صحت کے آسان اور سادہ اصول ✧ نفسیاتی اور ذہنی اُجھٹیں

✧ خواتین کے صحیح مسائل ✧ بڑھاپے کے امراض ✧ بچوں کی تکالیف

✧ جڑی بوٹیوں سے آسان فطری علاج ✧ غذا اور غذائیت کے بارے میں تازہ معلومات

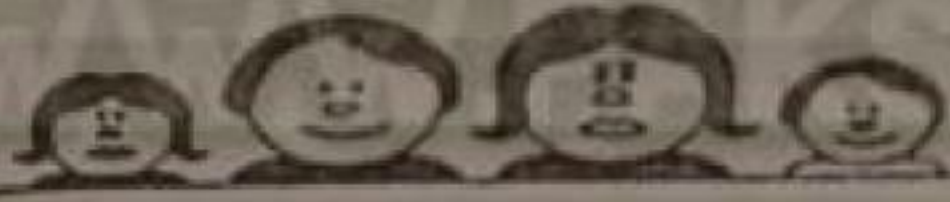
ہمدرد صحت آپ کی صحت و مسرت کے لیے ہر مہینے قدیم اور جدید

تحقیقات کی روشنی میں مفید اور دل چسپ مضامین پیش کرتا ہے

رنگین ٹائٹل --- خوب صورت گٹ اپ --- قیمت: صرف ۴۰ روپے

ایچھے بک اسٹالز پر دستیاب ہے

ہمدرد صحت، ہمدرد سینٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی



لکھنے والے نونہال

نونہال ادیب

عائشہ الیاس، کراچی
یسری حبیب، کراچی
بنت مہر علی شاہ، ٹانک
صدف رانی، پنڈ دادن خان

نسب ناصر، فیصل آباد
بیگم بہار، بلوچستان
سیدہ اریبہ بتول، کراچی
اٹل رقیہ، ڈیرہ غازی خان

مجھے قتل کرنے سے پہلے پانی پینے دیا جائے؟“
حکم ہوا کہ اسے پانی پلایا جائے۔

ہرمزان نے پانی کا پیالا ہاتھ میں لیا اور حضرت
عمرؓ سے کہنے لگا: ”اس پانی کے پینے تک آپؓ
مجھے قتل نہیں کریں گے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”جب تک تم پانی
نہیں پیو گے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔“

اس پر ہرمزان نے پانی گرا دیا اور کہنے لگا:

”امیر المومنین! آپ اب اپنا وعدہ پورا کیجیے۔“

حضرت عمرؓ نے اس پر فرمایا: ”ابھی

تو تمہیں قتل نہیں کرتے، بلکہ اس مسئلے پر

غور و فکر کریں گے۔“

قیدی کا قبول اسلام

نسب ناصر، فیصل آباد

ایک دفعہ ایران کا ایک مشہور سپہ سالار

ہرمزان قیدی بنا کر حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا

تو آپؓ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت

دی، جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ حضرت عمرؓ نے

اسے قتل کرنے کا حکم دیا، کیوں کہ اس نے

اسلام کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔

جب اس کے قتل کی تیاری ہو گئی تو اس

نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھ کر کہا: ”میں

پاس سے نڈھال ہوں، کیا ایسا ممکن ہے کہ

پھر جلد کو حکم دیا کہ تلوار ہٹالو۔ ہر مزان
 زندگی گزارنے کے آداب سکھاتی ہیں۔ کتابوں
 نے تلوار ہٹتے ہی کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھا۔
 حضرت عمرؓ نے کہا: ”تم نے اسلام
 قبول کیا، اچھی بات ہے، لیکن جب تم سے
 کہا گیا کہ اسلام قبول کرو تب تم نے ایسا
 کیوں نہیں کیا؟“

وہ بولا: ”مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ اگر
 میں اسلام قبول کروں گا تو سب کہیں گے کہ
 موت کے ڈر سے اسلام قبول کر رہا ہے۔“
 اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”بے شک!
 اہل فارس کی عقلیں پہاڑوں جیسی ہیں۔“
 مطلب یہ ہے کہ وہاں کے لوگ عقل مند ہیں
 اور ان کی عقلیں عظیم الشان ہیں۔

کتابیں

آسمانی کتابیں چار ہیں اور ان کے نام
 قرآن، زبور، توریت اور انجیل ہیں۔ بچوں کی
 کتابوں میں نظمیں، کہانیاں اور مضامین
 ہوتے ہیں۔ بچوں کی کتابیں آسان لفظوں پر
 مشتمل ہوتی ہیں۔

ہنگر بہار، بلوچستان

کتاب علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی
 ہے۔ کتابیں پڑھنا اچھی عادت ہے۔ کتابوں
 سے انسان سیکھتا ہے۔ کتابیں ہی ہمیں اچھی
 رسالہ ہمدردی نہال بھی ایک مکمل کتاب
 ہے۔ اس میں کہانیاں، مضامین، نظمیں، لطیفے

اور اقوال چھپتے ہیں۔ فلسفے اور سائنسی تحقیقات پر مشتمل کتابیں بھی آسانی سے دستیاب ہیں۔ کتابیں پڑھیے، خوش رہیے۔

واجد نے ایک سرد آہ بھری اور بولا: ”ہاں ہمیں کچھ کرنا چاہیے، اگر عید پر بھی ہم اپنے بچوں کے لیے کھلونے اور کپڑے نہ لاسکے تو ان کے معصوم دلوں پر نہ جانے کیا بیتے گی۔“

دیانت کا صلہ

سیدہ اریہ بتول، کراچی

واجد ایک چائے کی فیکٹری میں سو رہے ماہوار پاتا تھا۔ اس کی بیوی اور دو بچے رضوان اور سیماتھے۔ زندگی بہت ہی تنگی سے بسر ہو رہی تھی۔ رہنے کے لیے ایک کچا مکان تھا جس کا کرایہ بھی ہر ماہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

اس کی بیوی بولی۔

”وہ کیا۔“واجد نے پوچھا۔

”آپ اپنی فیکٹری کے مالک سے کچھ ادھار لے لیں۔ پھر ہم آہستہ آہستہ یہ قرضہ چکا دیں گے۔“ اس کی بیوی نے مشورہ دیا۔

اتوار کی چھٹی ہوتی تھی۔ ایسے ہی ایک

واجد چند لمحے سوچتا رہا، پھر اپنی بیوی سے کہنے لگا: ”چائے کی فیکٹری کا مالک بہت کنجوس ہے۔ اللہ جس کو پیسہ دیتا ہے پتا نہیں اس کا دل کیوں چھوٹا ہو جاتا ہے۔ بہر حال میں اس سے کہوں گا، مگر مجھے رقم ملنے کی توقع نہیں ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کتنے روپے مانگوں؟“

اتوار کوواجد چار پائی پر لیٹا اپنے حالات درست کرنے کے لیے سوچوں میں گم تھا کہ اس کی بیوی اس کے پاس آئی اور چار پائی پر بیٹھتے ہوئے بولی: ”عید آ رہی ہے، بچوں کے لیے ہم نئے کپڑے بھی نہ بنا سکے۔ رضوان کہہ رہا تھا کہ ہمیں کھلونے بھی چاہئیں۔ اب بتاؤ کہ میں انہیں کیا لے کر دوں؟“

واجد نے آخر میں سوال کیا۔

اس کی بیوی نے کہا: ”تقریباً پانچ سو

رہے اُدھار لے لیں۔“ بے عزت کیا۔ اس نے لفافے میں سے ایک

اگلے دن فیکٹری میں جب سیٹھ صاحب ہزار روپے واجد کو دے دیے۔ واجد نے اللہ کا شکر آئے تو واجد نے سیٹھ سے قرض مانگا، مگر اس

صفر کی کہانی

اُل رقیہ، ڈیرہ غازی خان

پُرانے زمانے میں ایک ریاضی داں میں ایک لفافہ نظر آیا۔ اس نے اُدھر اُدھر آیا۔ وہ واپس آنے لگا تو اس کو فیکٹری کے صحن دیکھا۔ سب لوگ واپس گھر جانے کی فکر میں تھے۔ اس نے وہ لفافہ اُٹھا لیا۔ اتنے میں فیکٹری کے اسپیکر سے ایک آواز آئی کہ اگر کسی کو بھی فیکٹری سے کوئی لفافہ ملے تو سیٹھ کے کمرے میں پہنچا دے۔ اتنے میں واجد کے دل میں خیال آیا کہ یہ لفافہ واپس کر دوں یا اپنے بچوں کی خوشی کے خاطر اسے لے جاؤں۔ آخر اس نے اپنے قدم سیٹھ کے کمرے کی جانب بڑھا دیے اور لفافہ سیٹھ کے حوالے کر دیا۔ سیٹھ کو بے حد شرمندگی ہوئی کہ اس نے کچھ پیسوں کے خاطر اپنے ایمان دار ملازم کو

کے پاس گنتی کے تمام اعداد تھے۔ وہ تمام اعداد صفر کو ہر وقت ستاتے رہتے تھے کہ تم تو صفر ہو۔ ہمارے ساتھ رہ کر بھی تم صفر ہی رہتے ہو۔ یہ باتیں سنتے سنتے صفر تھک گیا تو وہ وہاں سے چلا گیا۔ صبح جب ان کے استاد نے دیکھا کہ صفر غائب ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے گھر کا کونا کونا چھان مارا۔ ہر جگہ ڈھونڈا، مگر صفر نہ ملا۔ وہ پریشانی میں باقی تمام اعداد کو ڈانٹنے لگا کہ تم سے اس کا خیال نہ رکھا گیا۔ وہ کتنا ضروری تھا تم جانتے بھی نہیں۔ اب میں حساب کتاب کیسے کروں گا۔ اس غم میں وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دو دن گزر گئے، مگر صفر نہ ملا۔

اب تو تمام ہند سے بہت پریشان ہوئے۔ ہم سواور ہزار تھے اب تو ہم سب اکیلے رہ گئے
اپنے استاد کی یہ حالت ان سے دیکھی نہ جاتی ہیں۔ تمہارے بغیر تو استاد ہمیں پوچھتا بھی
تھی۔ آخر وہ سب صفر کو ڈھونڈنے نکلے۔ کوئی

ندی میں گھس گیا، کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس پر صفر واپس ان کے ساتھ آیا اور

ہندسہ (۱) درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے تمام اعداد مکمل ہوئے۔

ظلم کا انجام

عائشہ الیاس، کراچی

گاؤں بہت خوب صورت اور ہر ابھرا

تھا۔ اس گاؤں کی تمام زمینیں ایک ظالم

زمیندار کی ملکیت تھیں۔ اس ظالم زمیندار کا

اکھوتا بیٹا فیصل تھا، جو ایک بہت رحم دل

لڑکا تھا۔

زمیندار اپنے کسانوں پر بہت ظلم کرتا

تھا۔ وہ ان سے کام بہت زیادہ لیتا اور

اُجرت بہت کم دیتا تھا۔ فیصل، باپ کو ظلم

کرنے سے منع کرتا تھا، لیکن زمیندار اس کی

بات پر کان نہ دھرتا تھا۔

زمیندار کے ظلم جب حد سے بڑھنے

دور تک دیکھا تو اسے ندی کے پاس ایک نقطہ

نظر آیا۔ وہ جلدی سے بھاگ کر گیا اور اپنے

استاد کی دور بین اٹھالی اور درخت پر چڑھ کر

دیکھنے لگا۔ اچانک وہ خوشی سے چلا اٹھا کہ وہ

صفر بیٹھا ہے۔ وہ بھاگ کر گیا اور سب

ساتھیوں اور استاد کو بلا کر کہا کہ صفر ندی کے

پاس بیٹھا رو رہا ہے۔ سب ندی کی طرف چل

پڑے۔ وہاں جا کر دیکھا تو صفر بیٹھا رو رہا تھا۔

استاد نے تمام اعداد سے کہا: ”یہ تو بہت

رو رہا ہے۔ تم سب جاؤ۔ یہ تمہارا ساتھی ہے،

اس کو چپ کرا کے لے آؤ۔“

وہ پریشان ہوئے، مگر ہمت کر کے گئے۔

صفر سے کہا: ”تم واپس آ جاؤ، تمہارے ساتھ تو

لگے تو کسانوں نے اس گاؤں سے بھاگنے کی ٹھانی، لیکن زمیندار نے گاؤں کے چاروں طرف ایک مضبوط دیوار کھڑی کر رکھی تھی۔ دیوار میں صرف ایک ہی دروازہ تھا، جس پر زمیندار نے پہرے دار بٹھا رکھے تھے۔ کسانوں کے لیے گاؤں سے نکلنا ممکن نہ رہا۔

بڑے بڑے بکیرے

یسرٹی حبیب، کراچی

ظالم کی رسی کبھی نہ کبھی ضرور کھینچتی ہے۔ ایک دن زمیندار اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ گاؤں میں بجلی نہیں تھی، اس لیے اس کے کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے زمیندار کی آنکھ لگ گئی۔ اسی دوران ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ لالٹین کی آگ بھڑک اٹھی اور کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ زمیندار بہت چیخا چلا یا، لیکن سب بے سود۔ آگ نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس طرح زمیندار کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔

زمیندار کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا فیصل گاؤں کا زمیندار بن گیا اور اس نے گاؤں میں ہر طرف خوشحالی کی لہر دوڑادی۔ گاؤں کے تمام لوگ فیصل سے خوش ہو گئے اور اسے دعائیں دینے لگے۔

زمین پر خشکی اور پانی کی تقسیم برابر نہیں ہے۔ پانی کا رقبہ خشکی کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ دنیا کے کل رقبے کے ۷۱ فیصد حصے پر پانی ہے اور باقی ۲۹ حصے پر خشکی ہے۔ پانی کے وسیع علاقوں کو بحر اعظم کہتے ہیں۔ شمالی نصف رقبے پر خشکی کا حصہ پانی کی نسبت زیادہ ہے۔ جبکہ جنوبی رقبہ زیادہ تر پانی پر مشتمل ہے۔

بحرالکابل دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے۔ یہ زمین کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ الکابل کے معنی پُر سکون، پُر امن کے ہیں۔ ایک پرتگیزی باشندے فرڈی نڈ میکیلان

(FERDINAND MAGELLAN) نے ہے۔ اس کا اکثر حصہ منجمد ہے۔ بحر منجمد شمالی ۱۵۲۰ء میں یہ نام تجویز کیا۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی تقریباً چار کلو میٹر ہے۔

بحر اوقیانوس دنیا کا دوسرا بڑا سمندر ہے۔ یہ سمندر سفر کے لیے سب سے زیادہ استعمال میں آتا ہے۔ بحر الکاہل کا رقبہ اس سے دگنا ہے۔ بحر اوقیانوس دنیا بھر کی ایک عظیم بحری شاہراہ ہے۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی سوا تین کلو میٹر ہے۔

کیا وہ ملی تھی

ہفت مہر علی شاہ، ٹانک

ابھی میں مغرب کی نماز سے فارغ

بحر ہند دنیا کا تیسرا بڑا سمندر ہے۔ بحر ہند کے ساحلی علاقوں پر دنیا کی آبادی کا دو تہائی حصہ آباد ہے۔ بحر ہند ایک قدیم آبی شاہراہ ہے۔ بین الاقوامی سمندری جہاز نہر سوئیز سے ہو کر اس میں داخل ہوتا ہے۔ بحر ہند بھی سوا تین کلو میٹر گہرا ہے۔

کرۂ ارض کے پانچ بحروں میں سے بحر منجمد شمالی سب سے چھوٹا بحر ہے۔ بحر منجمد شمالی کی سطح کا پانی بحر الکاہل کے پانی سے جا ملتا ہے۔ اس کا اکثر حصہ منجمد ہے۔ بحر منجمد شمالی میں تین طرح کی برف ملتی ہے۔ زمینی، دریائی اور بحری برف۔ بحر منجمد شمالی براعظم انٹارکٹیکا کے ارد گرد پھیلا ہوا ہے۔ یہ سمندر جہاز رانی کے لیے موزوں نہیں، کیوں کہ یہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے۔

بمشکل ہی پہنچ پاتے، لیکن وہ پھر بھی چیخ
پڑتے۔ آج ان کے ساتھ ان کی ماں
موجود نہیں تھی۔ وہ شاید خوراک کی تلاش
میں نکلی تھی۔

باہر نکلی تینوں بچے بُری طرح روتے ہوئے
گھر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ درخت
ان کے اور ہمارے گھر کے بیچ میں تھا۔ میں
بھی ان کے پیچھے ان کے گھر چلی گئی، جہاں

میں نے ایک نظر بلی کے بچوں پر ڈالی
پھر نیچے سعد، صد اور چھوٹی انعم کو دیکھا۔ یہ
تینوں بھائی بہن تھے اور بلی اور ان کے
بچوں کو کئی دن سے تنگ کر رہے تھے۔ میں
نے انھیں سمجھایا، پھر ان کی ماں سے بھی
شکایت کی، لیکن ان شریر بچوں پر کوئی اثر نہ
ہوا، تبھی تو اتنی سردی میں شام کے وقت بلی
کے بچوں کو پتھر مار رہے تھے۔ میں دکھی
دل سے واپس گھر میں داخل ہوئی۔ ابھی
میں نے دروازہ بند کیا ہی تھا کہ ایک ساتھ
کئی چیخیں سنائی دیں، لیکن اب کی بار بلی
کے بچوں کی نہیں، بلکہ سعد، صد اور انعم کی
تھیں، جو خوف کی وجہ سے پوری قوت سے
چیخ اور امی ابو کو پکارنے لگے۔ میں فوراً

وہ ماں سے چمٹے رو رہے تھے۔
ہم دونوں نے بمشکل بچوں کو چپ
کرایا۔ پھر صد، جو سعد سے بڑا تھا، اس نے
بتایا کہ جس وقت ہم بلی کے بچوں کو پتھر مار
رہے تھے تو سعد نے کہا کہ اس نے کوئی کالی
شے دیکھی ہے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا،
لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ نیچے پڑا پتھر اٹھایا
اور بلی کے بچے کو مارنے ہی والا تھا کہ
میری نظر کالے بھوت پر پڑ گئی، جو بے حد
ڈراؤنی شکل والا تھا۔ اس کی عجیب قسم کی
ڈراؤنی آنکھیں تھیں۔ صد کی آنکھوں میں
خوف ابھی تک موجود تھا۔

میں نے سعد اور چھوٹی انعم سے پوچھا
کہ انھوں نے بھی بھوت دیکھا؟ تو انھوں

نے کہا ہاں اور جب ہم بھاگ رہے تھے کی اشرفیاں تھیں۔ انھوں نے سوچا کہ کوئی پیچھے سے خوف ناک آواز سنائی دی کہ اشرفیاں پُرا نہ لے، کسی کے پاس بطور آئندہ اگر بلی یا ان کے بچوں کو تنگ کیا تو امانت رکھوا دیتے ہیں۔ نہر کے قریب ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ مسافروں اچھا نہیں ہوگا۔

میں تھوڑی دیر وہاں رہی جب بچے سنبھل گئے تو وہاں سے نکل آئی ایک نظر درخت پر ڈالی، مگر اندھیرا چھانے کی بنا پر بلی یا ان کے بچے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس دن سے بچوں نے دوبارہ بلی یا کسی بھی جانور کو تنگ نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ آج سے آپ سب بچے بھی وعدہ کریں کہ

کبھی کسی جانور کو تنگ نہیں کریں گے۔ جس ساتھی کو کنگھا لینے بھیجا اس کے

دل میں لالچ پیدا ہوا۔ اس نے بڑھیا سے

کنگھے کی بجائے اشرفیاں مانگیں۔ بڑھیا

نے صاف انکار کر دیا اور اسے ان کی شرط

یاد دلائی۔

مسافر نے کہا: ”وہ تو مجھے یاد ہے، مگر

وہ دونوں بہت تھکے ہوئے ہیں، اس لیے

بڑھیا اور اشرفیاں

صدف رانی، پنڈ دادن خان

تین مسافر! کھٹے سفر پر روانہ ہوئے۔

سفر کے دوران انھوں نے ایک نہر کے

کنارے کھانا کھایا، پانی پیا اور پھر نہر میں

نہانے کا ارادہ کیا۔ تینوں کے پاس سونے

انہوں نے مجھے اشرفیاں لینے بھیج دیا ہے۔“ بڑھیا اور مسافروں میں بحث و تکرار ہوتی

بڑھیا نے اونچی آواز میں دونوں رہی۔ آخر مسافر بڑھیا کو قاضی کے پاس

مسافروں سے پوچھا: ”دے دوں؟“ لے گئے اور ساری تفصیل بتائی۔

مسافر سمجھے کہ بڑھیا کنگھے کا پوچھ رہی قاضی نے بڑھیا سے کہا: ”قصورتو

ہے۔ انہوں نے کہا: ”دے دو۔“ تمہارا ہے۔ تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ اشرفیاں

پہلا ساتھی اشرفیاں لے کر بھاگ گیا۔ دے دوں۔ اب تمہیں پندرہ اشرفیاں ان

جب باقی دو ساتھیوں کو انتظار کرتے کرتے کو دینی ہوں گی۔“

کافی دیر گزر گئی اور ان کا دوست نہ آیا تو وہ بڑھیا بہت غریب تھی، اس کے پاس

دونوں بڑھیا کے پاس پہنچے اور اپنے دوست ایک جھونپڑی کے علاوہ اور تھا بھی کیا، مگر

کے بارے میں پوچھا تو بڑھیا بولی: ”وہ تو بڑھیا عقل مند بھی تھی۔ بڑھیا بولی: ”میں

کافی دیر پہلے اشرفیاں لے کر جا چکا ہے۔“ نے اپنا بیان نہیں بدلا، میں تم کو اشرفیاں

ایک مسافر نے کہا: ”مگر ہم نے تم سے کہا دینے کو تیار ہوں، لیکن تمہارے وعدے

بھی تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کے حوالے کے مطابق جب تک تم تینوں حاضر نہ ہو جاؤ

اشرفیاں نہ کرنا، جب تک ہم اکٹھے نہ آئیں۔“ میں تمہیں اشرفیاں نہیں دے سکتی۔“

بڑھیا بولی: ”مگر میں نے تم سے پوچھا قاضی نے بھی بڑھیا کی اس بات سے

تھا۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ دے دو۔ اتفاق کیا۔ بڑھیا کی اس بات نے مسافروں

ایک مسافر بولا کہ ہم تو سمجھے کہ ہمارا کولا جواب کر دیا اور دونوں مسافر خاموشی

دوست کنگھا مانگ رہا ہے۔ کافی دیر تک سے لوٹ گئے۔ ☆



شہزادہ (بادشاہ سے): ”ابا جان! باہر آپ بے وقوف آدمی تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کھبے کی اونچائی ناپنا چاہتے ہیں۔“

بادشاہ: ”بیٹا! پتا چلاؤ کہ وہ کیا ہیں، لمبائی نہیں۔“

مسئلہ: ناہید ضمیر حسین، کراچی

چاہتے ہیں؟“

شہزادہ: ”ابا جان! وہ آپ کی شکل دیکھ کر فرعون کی تصویر بنانا چاہتے ہیں۔“

ایک پہلوان نے اعلان کیا کہ وہ مقررہ دن پر وہ پہلوان اک ہجوم کے

شاہ زیب مسرت، بہاول پور

ساتھ وہاں پہنچا۔ تب لوگوں نے کہا کہ

دو آدمی دیوار کے سہارے کھڑے

پہلوان جی! اٹھاؤ اب مینارِ پاکستان کو

ایک کھبے کی اونچائی کے متعلق بحث کر

اپنے کندھے پر۔

رہے تھے۔ ایک آدمی جو قریب سے گزر رہا

پہلوان نے اپنا رومال اپنے کندھے

تھا، کھڑے ہو کر ان کی گفتگو سننے لگا، پھر

پر رکھا اور بولا: ”اچھا ٹھیک ہے، اب

بولا: ”بھئی، آپ دونوں تو فضول بحث کر

رکھ دو مینار میرے کندھے پر۔“

رہے ہیں، یہ جو اسی سائز کا دوسرا کھمبازمین

مسئلہ: تحریم خاں، نارتھ کراچی

پر پڑا ہے، اس کی لمبائی ناپ لیں۔ آپ کو

ایک صاحب نے کسی فلسفی سے

پتا چل جائے گا کہ کھمبا کتنا لمبا ہے۔“

پوچھا: ”حضرت! کیا بات ہے دو رنگوں کی

وہ صاحب تو یہ کہہ کر چلے گئے اور

جراہیں پہنے پھر رہے ہیں؟“

بحث کرنے والے دونوں ایک دوسرے

فلسفی نے ایک نظر اپنی جرابوں پر ڈالی

کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر ایک بولا: ”بہت



اور مسکرا کر بولے: ”کیا بتاؤں بھائی! ڈانٹ رہا تھا۔ ایک راہ گیر نے ڈانٹے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوا کیا ہے! ایک والے سے پوچھا: ”اس بے چارے
جوڑا گھر میں بھی اسی طرح کا پڑا ہے۔“ غریب کو کیوں ڈانٹ رہے ہو؟“

مرسلہ: نیہا صفوان، کراچی اس نے جواب دیا: ”میرے سر پر

😊 کلاس میں پڑھانے کے دوران استاد ایک بال نہیں اور یہ میرے ہی گھر کے
نے بچوں سے سوال کیا: ”بتاؤ بے موسم سامنے کنگھے بیچ رہا ہے۔“

مرسلہ: طلحہ بن عابد، کراچی بارش کسے کہتے ہیں؟“

😊 ایک بچے نے کھڑے ہو کر جواب دیا: ”سر! بے موسم بارش اس بارش کو کہتے
ہیں جو اسکول میں پہنچنے کے بعد برستی ہے۔“

مرسلہ: دلیل الرحمن، کراچی ہوں تو تم نے گائے چرائی۔“

😊 بچہ اپنی ماں سے: ”اماں! میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

ماں: ”بیٹا! کیوں؟“

بچہ: ”میری روٹی پر سے چوہا گزر گیا۔“

ماں: ”کھالے بیٹا! چوہے نے کوئی جوتے تھوڑی پہنے تھے۔“

بچہ: ”اماں! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“

مرسلہ: سید عبدالہادی علی، کراچی طالب علم: ”جرمانہ کتنا ہے؟“

😊 ایک شخص اپنے گھر کے سامنے کسی کو استاد: ”پانچ روپے۔“

طالب علم: ”یہ لیس پانچ روپے، پانچ طالب علم: ”یہ لیس پانچ روپے، پانچ

کرتے رہے؟“

رپے کی خاطر کون اتنی محنت کرے۔“

ملازم: ”جیل میں۔“

مرسلہ: محمد جہانگیر عباس جوئیہ، کراچی

مرسلہ: آصف بوزدار، میرپور ماٹیلو

😊 استاد: ”کل تم اسکول کیوں نہیں آئے؟“

😊 ایک صاحب نے نئی نئی کرکٹ کھیلنا

شاگرد: ”میں گر گیا، اس لیے لگ گئی تھی۔“

سیکھی تھی۔ ان کی نظر بھی کم زور تھی۔ بیٹنگ

استاد: ”کہاں گرے اور کیا لگی؟“

کی باری آئی تو ان کو ایک نہایت تیز رفتار

شاگرد: ”میں بستر پر گر گیا اور آنکھ

بالر کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بالر پوری رفتار

لگ گئی۔“

سے گیند کرتا رہا، وہ صاحب کسی ایک گیند کو

مرسلہ: ماہم عبدالصمد، کراچی

بھی نہ کھیل پائے اور نہ انھوں نے کوشش

😊 استاد (عبداللہ سے): ”تمہارا مضمون

کی۔ تھوڑی دیر یونہی ہوتا رہا۔ آخر وہ

بہت اچھا ہے، مگر لفظ بہ لفظ جمیل کے مضمون

صاحب جھنجلا کر امپائر سے بولے: ”یہ کیا

سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے میں کیا نتیجہ

مذاق ہے بھئی، بولر آتا ہے ہاتھ گھما کر

نکالوں؟“

چلا جاتا ہے گیند کیوں نہیں پھینکتا؟“

عبداللہ: ”یہی کہ جمیل کا مضمون بھی

مرسلہ: کوئل قاطمہ اللہ بخش، لیاری

اچھا ہے۔“

😊 ایک آدمی نے سرکاری زمین پر

مرسلہ: سیدہ اریہ بتول، لیاری

غیر قانونی دیوار بنائی۔ کسی نے کہا کہ کچھ

😊 مالک: ”کام کرتے کرتے تم بھاگ تو

ایسا کرو کہ دیوار پرانی لگے۔ اس آدمی

نہیں جاؤ گے؟“

نے دیوار پر لکھ دیا: ”ہم قائد اعظم کو پشاور

ملازم: ”جی نہیں، اس سے پہلے میں

آنے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔“

چھ سال ایک جگہ رہا اور بالکل نہیں بھاگا۔“

مرسلہ: محمد افضل انصاری، چوہنگ

مالک: ”چھ سال تک کہاں کام

اونٹ - اللہ کی ایک نشانی

زاہدہ حمید

اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو ایسا حیرت انگیز اور اتنا فرماں بردار بنایا ہے کہ چوہیا بھی اس کی رسی پکڑے تو وہ چل پڑے۔ اونٹ ایک ایسا صحرائی جانور ہے جو ایک مہینے سے زیادہ بغیر پانی پے صحرا میں چل سکتا ہے۔ اس کی پشت پر اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ انسان اپنے کھانے پینے اور بستر وغیرہ کے ساتھ یوں سفر کا لطف اٹھاتا ہے، جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہو۔

کوہان : اونٹ کا کوہان چربی سے بنتا ہے، جو اس کو خوراک نہ ملنے کی صورت میں غذا فراہم کرتا ہے۔ اس قدرتی نظام کے ساتھ یہ تین ہفتوں تک پانی کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے، مگر اتنے عرصے میں اس کا وزن ۳۳ فی صد کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کو اگر غذا اور پانی نہ ملے تو وہ اپنا ۸ فی صد وزن کھونے کے ساتھ ۳۶ گھنٹوں میں موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے، کیوں کہ اس عرصے میں اس کے جسم کا سارا پانی ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اونٹ کا ذکر : ”سورہ یوسف“ میں بغیر کسی عنوان سے بھی اونٹ کا تذکرہ موجود ہے، جو حضرت یوسفؑ کے قصے اور بار برداری کے تعلق سے ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعا : ایک دن شمود نامی قوم کے لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے بڑی عجیب و غریب فرمائش کی کہ ہمیں ایک معجزہ ایسا



دکھائیں کہ ان کے سامنے والی چٹانوں سے ایک اونٹنی نمودار ہو اور اس وقت ایک بچے کو بھی جہنم دے دے۔ لہذا حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ کے حضور دعا مانگی۔ اللہ نے خوب صورت جسم والی اونٹنی کو بھیجا، جس نے سب کے سامنے آ کر ایک خوب صورت سا بچہ بھی دے دیا۔ اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا رد نہیں کی۔

احادیث میں اونٹ اور اونٹنی کا ذکر : ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ نظر آیا۔ حضورؐ نے اس کی طرف دیکھا تو اونٹ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپؐ نے اس کے مالک سے فرمایا: ”تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تُو اسے بھوکا رکھتا ہے۔“

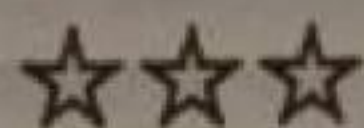
تپش سے محفوظ رکھنے والی جلد : اونٹ کی جلد اُون جیسے گھنے اور کچھے دار بالوں سے بنتی ہے جو اس جانور کو سخت سردی اور جلا دینے والی گرمی سے محفوظ رکھتی ہے اور اسے پانی کی کمی سے بچاتی ہے۔ سعودی عرب اور شمالی افریقا کا اونٹ اپنے جسم کے درجہ حرارت کو ۴۱ ڈگری سینٹی گریڈ تک بڑھا لیتا ہے۔

اپنی اس خصوصیت کی بنا پر اونٹ ایشیا میں موسم گرما میں زیادہ سے زیادہ گرمی برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور سردی کے موسم میں بھی اونٹ اپنے آپ کو کافی حد تک محفوظ کر لیتا ہے۔

ریت سے محفوظ سر : قدرت نے اونٹ کی پلکوں میں ایسا نظام رکھا ہے کہ جیسے ہی خطرے کا پتا چلتا ہے تو خود بخود اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، تاکہ مٹی کے ذرات اس کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

اونٹ کی لمبی گردن پتوں کو خوراک بنانے کے لیے زمین سے ۳ میٹر بلندی تک پہنچ جاتی ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اونٹ کانٹے دار پودوں کو بھی بڑے مزے سے کھاتا ہے اور اسے ہضم کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، کیوں کہ اس کی زبان کی مضبوطی خاردار چیزوں کو چبانے اور ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے۔





مسکراتی

لکیریں



”ارے یہ آم اتنی جلدی کیسے گر گیا؟“

”اے بہن! تمھاری باتیں سن سن کے وہ پک گیا اور گر گیا۔“

کنجوس جوہری

مہروز اقبال



بہت دنوں کی بات ہے کسی قصبے میں ایک جوہری رہتا تھا۔ قصبہ چوں کہ چھوٹا تھا، اس لیے یہاں کے رہنے والے تقریباً سب ہی لوگ ایک دوسرے سے واقف تھے۔ جوہری کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر تو خاصی رقم خرچ کر دیتا ہے، لیکن دوسروں پر کسی مطلب کے بغیر ایک پیسا بھی نہیں خرچ کرتا۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا فقیر اس کے پاس آ جاتا تو جوہری اس بُری طرح جھڑکتا کہ بے چارہ بھکاری پھر کبھی بھول کر بھی اس طرف رخ نہ کرتا۔

کنجوس جوہری کے بہت کم دوست تھے۔ وہ اپنے دوستوں پر بھی پیسا خرچ نہ کرتا، بلکہ ان سے ہی کھانے پینے کی توقع رکھتا۔ چوں کہ وہ باتیں بنانے کا ماہر تھا، اس لیے کچھ لوگ اس کے دوست بن چکے تھے اور کبھی کبھی اسے کھلا پلا بھی دیتے تھے۔ اسی قصے میں ایک دھوبی بھی رہتا تھا۔ وہ جوہری کے بالکل برعکس تھا۔ اس کے پاس ضرورت سے زیادہ جو بھی پیسا ہوتا وہ دوستوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا کرتا۔ جب شاہی دھوبی بیمار ہو جاتا تو یہ والا دھوبی بادشاہ کے کپڑے بھی دھویا کرتا۔ وہ لوگوں میں بڑا ہر دل عزیز تھا۔ دھوبی ہونے کے باوجود لوگ جوہری سے زیادہ اس کی عزت کرتے تھے۔

ایک شام دھوبی کام ختم کر کے اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں کنجوس جوہری وہاں سے گزرا۔ ایک دوست نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی: ”میں نے ایسا کنجوس انسان تو اپنی زندگی میں دیکھا ہے نہ سنا۔“

دوسرے دوست نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی: ”اس نے آج تک کسی کو ایک گلاس پانی تک نہیں پلایا۔“

”میں اس کنجوس جوہری سے چائے پانی تو کیا کھانا کھا سکتا ہوں۔“ دھوبی بولا۔

تمام دوستوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا: ”بڑے بڑے تمیں مار خاں اس

سے چائے تک نہیں پی سکے، بھلا تم کھانا کیسے کھاؤ گے؟“ ایک دوست نے ٹانگیں

پھیلاتے ہوئے کہا۔

”آخر تم لوگوں کو میری بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا۔“ دھوبی نے کہا۔



”جب اس کنجوس جوہری سے کوئی چیز کھانا ممکن ہی نہیں تو یقین کیسے آئے گا۔“

”اگر میں نے اس سے کھانا کھالیا تو تم مجھے کیا انعام دو گے؟“ دھوبی نے پوچھا۔

”ہم سب مل کر تمہاری شان دار دعوت کریں گے۔“ ایک دوست بولا۔

دھوبی بولا: ”تو پھر ٹھیک ہے میں کل ہی دوپہر کا کھانا جوہری کے گھر کھاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے ہم بھی وہاں آئیں گے۔“ سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

دھوبی رات دیر تک کنجوس جوہری سے کھانا کھانے کی ترکیب سوچتا رہا۔ آخر

ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ ہی گئی۔

دھوبی نے اگلے دن ایک خالی ڈبالیہ اور جوہری کے گھر جا پہنچا۔ اسے معلوم تھا

کہ جوہری اس وقت دوپہر کا کھانا کھاتا ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

”کون ہے؟“ اندر سے جوہری کی آواز آئی۔

”میں ہوں، دھوبی۔“

”تمہیں معلوم نہیں یہ میرے کھانے کا وقت ہے۔“ جوہری بے زاری سے بولا۔

دھوبی نے ادب سے جواب دیا: ”معلوم ہے جناب! لیکن اس وقت میں

آپ کے پاس بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔“

”کون سا کام؟“

دھوبی نے کہا: ”آپ دروازہ تو کھولے۔ ایک ہیرے کے بارے میں بات

کرنی ہے۔“

ہیرے کا نام سنتے ہی جوہری کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے فوراً دروازہ

کھول دیا۔ دھوبی کے ہاتھ میں ڈبا دیکھ کر وہ سمجھا کہ اس میں ہیرا ہے، جسے دھوبی بیچنے

کے لیے آیا ہے۔ جوہری کو یہ بات بھی معلوم تھی کہ دھوبی کبھی کبھی شاہی محل میں بھی

کپڑے دھوتا ہے۔ بہت ممکن ہے، میلے کپڑوں میں بھولے سے کوئی ہیرا آ گیا ہو۔

جوہری نے کہا: ”باہر کیوں کھڑے ہو، اندر آ جاؤ! بیٹھ کر آرام سے باتیں

ہوں گی۔“

دھوبی، جوہری کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک دسترخوان پر کھانا پختا

جا چکا تھا، جس کی خوشبو سے دھوبی کی آنتیں قل ہوا اللہ پڑھنے لگیں۔

”مرغی کے انڈے کے برابر ہیرے کی آج کل کیا قیمت ہے؟“ دھوبی نے

اطمینان سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

یہ سن کر جوہری کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے سوچا کہ ڈبے میں ضرور کوئی بڑا ہیرا ہے، جو دھوبی کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں اسے بے وقوف بنا کر قیمتی ہیرے کو اپنے قبضے میں لے لوں گا۔ بھلا اسے ہیرے کے بارے میں کیا معلوم۔

”ہاں تو بتائیے مرغی کے انڈے کے برابر ہیرے کے کیا دام چل رہے ہیں؟“ جوہری کو خاموش دیکھ کر دھوبی نے دوبارہ پوچھا۔

جوہری نے دعوت دی: ”آؤ پہلے کھانا شروع کرو۔ ہیرے کی باتیں کھانے کے بعد ہوتی رہیں گی۔“

دھوبی تو اسی انتظار میں ہی تھا۔ فوراً لذیذ کھانے پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔

پلاؤ، شامی کباب، شاہی ٹکڑوں اور گاجر کے حلوے پر جلدی جلدی ہاتھ مارنے لگا۔

”کوئی بات نہیں، اڑا لو میرا مال جتنا اڑا سکو۔ میں نے بھی تم سے چند

سکوں میں ہیرا نہ ہتھیا یا تو جوہری کا کام چھوڑ دوں گا۔“ جوہری نے اپنے دل میں کہا۔

”سنا ہے مرغی کے انڈے جتنے ہیرے بڑے نایاب ہوتے ہیں۔“ دھوبی نے کہا۔

”ہیروں کی مارکیٹ آج کل ڈاؤن ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہیروں کے دام

بہت چڑھے ہوئے تھے، لیکن جب سے نقلی ہیرے بننے شروع ہوئے ہیں، اصلی ہیروں

کی مانگ تقریباً ختم ہو چکی ہے۔“

”پھر بھی آخر اتنا بڑا ہیرا کتنے کا ہوگا؟“ دھوبی شامی کباب منہ میں رکھتے

ہوئے بولا۔

”یہی کوئی پچاس ساٹھ روپے کا۔“ جوہری نے ڈبے کی طرف دیکھتے ہوئے

جواب دیا۔

”اتنے بڑے ہیرے کی اتنی کم قیمت!“ دھوبی نے رومال سے ہاتھ صاف

کرتے ہوئے کہا۔

”صحیح صحیح قیمت تو ہیرا دیکھنے کے بعد ہی بتائی جاسکتی ہے۔ آج کل تو نقلی

ہیرے بھی اصل کی طرح لگتے ہیں۔“ جوہری نے ملازم کو خالی برتن لے جانے کا

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بڑی مہربانی جوہری صاحب! آپ نے ہیروں کے بارے میں بہت کچھ

بتایا۔“ دھوبی جوتے پہنتے ہوئے بولا۔

جب وہ ڈبا اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا تو جوہری بڑا شپٹایا اور

بولا: ”کیا تم ہیرا نہیں دکھاؤ گے؟ بیچنے کا ارادہ بدل دیا ہے کیا؟ نقلی ہیرے کے بھی تم

کو کچھ نہ کچھ پیسے تو مل ہی جائیں گے۔“

دھوبی نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا: ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جوہری

صاحب! میرے پاس نہ نقلی ہیرا ہے اور نہ اصلی۔ بھلا غریبوں کے پاس بھی ہیرے ہوا

کرتے ہیں؟“

”تو..... تو..... تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔“ جوہری کا چہرہ غصے سے انگارے کی

طرح دکھنے لگا۔

دھوبی نے کہا: ”میں نے آپ کو کوئی دھوکا نہیں دیا جوہری صاحب! میں نے

کب کہا تھا کہ میرے پاس کوئی ہیرا ہے۔“

”تو..... تو میرے پاس کس لیے آئے تھے؟“

”چند دوستوں سے میری شرط لگی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرغی کے انڈے جتنا

ہیرا ہوتا ہی نہیں۔ جب کہ میں کہتا ہوں کہ ہوتا ہے۔ بس یہی بات آپ سے پوچھنے چلا

آیا تھا۔“

”مکار! دغا باز! نکال میرے کھانے کے پیسے ورنہ تیری چمڑی اُدھیر کر رکھ

دوں گا۔“ جوہری ایک بڑا سا ڈنڈا لے کر اس کی طرف جھپٹا۔

شور و غل کی آواز سن کر کئی لوگ وہاں جمع ہو گئے، جن میں دھوبی کے دوست

بھی تھے۔ اتنے میں دھوبی نے چلانا شروع کر دیا: ”ارے میرے پیٹ میں درد ہو

رہا ہے۔ تمہارے کھانے نے میرے پیٹ میں درد کر دیا ہے۔ دوا کے پیسے نکالو، ورنہ

تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

لوگوں نے جب یہ سنا تو انہوں نے سوچا کہ جوہری تو کسی کو ایک گلاس پانی تک

نہیں پلاتا۔ پھر اس نے دھوبی کو کھانا کیسے کھلا دیا؟ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ سب

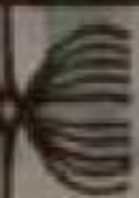
مل کر بولے: ”دھوبی کو دوا کے پیسے دو ورنہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔“

اب تو جوہری بڑا شپٹایا۔ وہ پولیس سے بڑا ڈرتا تھا۔ جی کڑا کر کے اس نے

دھوبی کو دوا کے پیسے دیے اور اپنی جان چھڑائی۔ جب دھوبی دوستوں کے ساتھ

دکان پر پہنچا تو انہوں نے اس سے کہا: ”بھئی مان گئے، تمہاری آج شام ہماری

☆ طرف سے دعوت ہے۔“





غذا میں توانائی تاپنے والا آلہ

کینیڈا میں ایک ایسا آلہ ایجاد کر لیا گیا ہے، جس سے یہ پتا چل سکے گا کہ کس غذا میں کتنی توانائی ہے؟ یہ آلہ پلیٹ یا پلاسٹک کے پیکٹ میں محفوظ غذا کو اسکیں کر کے چند سیکنڈ میں بتا دیتا ہے کہ غذا میں کتنے حرارے (کیلوریز) یعنی کتنی توانائی ہے۔ یہ آلہ موٹے لوگوں کے لیے بہت کارآمد ہے، تاکہ وہ غذا میں تبدیلی کر سکیں۔ اس آلے کا نام ”ٹیلی اسپیک“ ہے۔

پٹرول منہگا، گدھے سستے

ایران میں پٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے وہاں بہت سارے دیہاتیوں اور کسانوں نے مال برداری کے لیے گدھے خریدنے شروع کر دیے ہیں۔ ایرانی ویب سائٹ ”خرداد“ کے مطابق پٹرول اور ڈیزل کی قیمت میں اضافے کی وجہ سے ایرانیوں میں گدھوں کے استعمال کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ خاص طور پر ملک کے شمال مشرقی پہاڑی علاقے میں گدھوں کے استعمال میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ اس کے ساتھ بعض شہروں میں بھی یہ رجحان دیکھنے کو ملا ہے۔

تھکے ہوئے لوگ زیادہ جھوٹ بولتے ہیں

امریکا میں ہونے والی ایک نئی تحقیق کے مطابق تھکے ماندے افراد، چاق چوبند لوگوں کے مقابلے میں زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تھکاوٹ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن اس میں سب سے اہم کردار نیند کا ہوتا ہے۔ تھکاوٹ سے انسانی مزاج میں بہت جلد تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ بظاہر انسان خود کو جڑے پن اور بُرے برتاؤ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ایسا کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے وابستہ تحقیق کاروں کی ٹیم نے پتا لگایا ہے کہ صبح سویرے بیدار ہونے والے لوگوں میں تھکاوٹ کے نکتے میں شام کے وقت جھوٹ بولنے کا امکان پایا جاتا ہے۔

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جارہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- مئی ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

- ۱۔ ابو البشر..... کو کہا جاتا ہے۔ (حضرت آدم - حضرت نوح - حضرت عیسیٰ)
- ۲۔ حضور اکرمؐ کے پہلے صاحبزادے کا نام..... تھا۔ (حضرت قاسم - حضرت ابراہیم - حضرت عبداللہ)
- ۳۔ ”سلطان الشانج“ اور ”محبوب الہی“..... کے القاب تھے۔
- (حضرت مجدد الف ثانی - حضرت جنید بغدادی - حضرت نظام الدین اولیاء)
- ۴۔ مغل بادشاہ ہمایوں نے جلاوطنی کے پندرہ سال..... میں گزارے۔ (مصر - ایران - عراق)
- ۵۔ شیر بنگال مولوی فضل حق نے..... میں وفات پائی۔ (۱۹۶۰ء - ۱۹۶۲ء - ۱۹۶۵ء)
- ۶۔ خلا میں سب سے پہلا مصنوعی سیارہ..... نے چھوڑا تھا۔ (امریکا - روس (سوویت یونین) - چین)
- ۷۔ پاکستان کے سب سے لمبے قد والے انسان..... تھے۔ (محمد ریاض - محمد عالم چنا - نصیر سومرد)
- ۸۔ حکیم اجمل خاں کی فرمائش پر..... نے اجملین کے نام سے ایک دوا بنائی تھی۔

(ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی - شہید حکیم محمد سعید - حکیم احمد شجاع)

- ۹۔ جانوروں میں..... کی عمر سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ (مینڈک - ڈولفن - کچھوے)
- ۱۰۔ نظام شمسی میں سورج کا سب سے قریبی سیارہ..... ہے۔ (عطارد - زہرہ - زمین)
- ۱۱۔ ”دنیا گول ہے“ یہ بات سب سے پہلے..... نے کہی تھی۔ (گلیلیو - فیثاغورس - انکساغورس)

- ۱۲۔ ”دنیا گول ہے“ اس نام سے ایک سفر نامہ..... کی تصنیف ہے۔ (کرزل محمد خاں۔ ابن انشا۔ مستنصر حسین تارڑ)
- ۱۳۔ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ..... ہے، جو اڑ نہیں سکتا۔ (کیوی۔ شتر مرغ۔ پیگمین)
- ۱۴۔ اسلامی ملک شام کی کرنسی..... کہلاتی ہے۔ (ڈالر۔ پاؤنڈ۔ روپيا)
- ۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ”سیدھی انگلیوں..... نہیں نکلتا۔“ (تیل۔ سٹھی۔ مکھن)
- ۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:
- غالب بُدا نہ مان، جو داغِ بُدا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ..... اچھا کہیں جسے؟ (ہم۔ سب۔ لوگ)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۳۳ (مئی ۲۰۱۵ء)

نام:

پتا:

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلا عنوان انعامی کہانی (مئی ۲۰۱۵ء)

عنوان:

نام:

پتا:

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

پھاڑوں میں رہنے والی ایک باہمت لڑکی کی دلچسپ زندگی کی سچی کہانی

پیاری سی پھاڑی لڑکی

مسعود احمد برکاتی کے قلم سے

ہیدی ایک یتیم، بھولی بھالی اور معصوم چھوٹی سی لڑکی، پھاڑوں میں رہنے والی، باہمت، نرم مزاج اور ارادے کی پٹلی۔ اس کے دادا بد مزاج، تنہائی پسند، اپنے بتائے ہوئے اصولوں میں پکے۔ دونوں کا ساتھ کیسے ہوا؟ ایک ساتھ زندگی کیسے گزری؟ کس نے کس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟ ان سوالوں کے جواب اس کہانی کے واقعات سے مل جاتے ہیں۔ ممتاز اور مقبول ادیب مسعود احمد برکاتی نے اس انگریزی کہانی کو اردو زبان میں ڈھالا، آسان محاوروں سے سجایا اور دل کش، رواں زبان میں لکھا ہے۔

نونہالوں کے بے حد اصرار پر شائع کی گئی ہے۔

رنگین خوب صورت ٹائٹل قیمت : چھپٹھ (۶۵) روپے

ایک طوفانی رات

میرزا ادیب کی دل چسپ کہانیوں کا انتخاب

میرزا ادیب کے نام سے بچے اور بڑے خوب واقف ہیں، خاص طور پر ہمدرد نونہال پڑھنے والے نونہالوں نے تو ان کی کہانیاں بڑے شوق سے پڑھی ہیں، نونہالوں کے شوق اور تقاضوں کے پیش نظر میرزا ادیب کی کہانیوں میں سے ۱۴ بہت دل چسپ کہانیاں ایک طوفانی رات میں جمع کر دی گئی ہیں۔

☆ لومڑی نے گھڑی سے کیا فائدہ اٹھایا ☆ وہ کون سا پھول ہے جو کبھی نہیں گھلتا۔

☆ طوفانی رات میں کیا ہوا ☆ ہم سفر کون تھا ☆ دادا جان کے ہیرے اور جواہر کہاں تھے

یہ اور اس طرح کی دل چسپ ۱۴ باتصویر کہانیاں

خوب صورت رنگین ٹائٹل صفحات : ۱۱۶ قیمت : ۱۲۰ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

اُنکلیوں کے نشان اور مجرم

نسرین شاہین

یہ کتنی حیران کرنے والی بات ہے کہ اس دنیا میں اربوں انسان بستے ہیں، مگر ان تمام لوگوں کی اُنکلیوں کے نشان الگ الگ ہوتے ہیں۔ آپ نے بھی کبھی اپنے ہاتھوں کی اُنکلیوں پر بنے ہوئے نشانات اور ان کی بناوٹ پر غور کیا ہے؟ اُنکلیوں پر بنے ہوئے نشانات دیکھنے میں ایک جیسے نظر آتے ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے کہ کسی بھی دو افراد کی اُنکلیوں کے نشانات (فنگر پرنٹس) ایک جیسے نہیں ہوتے، یہاں تک کہ جڑواں پیدا ہونے والے لوگوں کے بھی یکساں نہیں ہوتے۔ اُنکلیوں کے نشانات کی تکمیل اسی وقت ہو جاتی ہے، جب انسان پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی موت تک یہ نشانات جو لکیروں کی شکل میں ہوتے ہیں، اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

اُنکلیوں پر بنے ہوئے نشانات کی چار اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ محراب دار: اس قسم کے نشانات پوری دنیا میں صرف چھ فی صد لوگوں کی اُنکلیوں پر پائے جاتے ہیں۔

۲۔ چھلے دار: اس قسم کے نشانات پوری دنیا میں پچیس فی صد لوگوں کی اُنکلیوں میں ہوتے ہیں۔

۳۔ بھنور دار: اس قسم کے نشانات کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ ساٹھ سے پینسٹھ فی صد لوگوں کی اُنکلیوں میں موجود ہیں۔

۴۔ حادثاتی: یہ صرف چار سے لے کر نو فی صد لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

اُنگیوں پر بنے ہوئے ان نشانات سے آج کل مختلف قسم کے جرائم کی تفتیش میں بڑی مدد ملتی ہے اور اسی کی بدولت مجرم کی شناخت بھی ہو جاتی ہے۔ جرائم کی چھان بین کے دوران سب سے پہلا مرحلہ اُنگیوں کے نشانات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی جرم کے دوران، مجرم کے ہاتھ کے نشانات کیسے حاصل کیے جائیں۔

اُنگیوں کے نشان لینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں واردات ہوتی ہے، وہاں پر کوئی بھی چیز نظر آئے، مثلاً کھڑکی، دروازے، الماری، دراز، گلاس وغیرہ جسے مجرم نے چھوا ہو۔ اس پر بنے اُنگیوں کے نشان کو ایک دائرے کی شکل میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، پھر ایک خاص قسم کا پاؤڈر جو دو رنگ کا ہوتا ہے، سفید اور کالا۔ اگر نشان والی سطح گہرے رنگ کی ہے تو سفید پاؤڈر استعمال کرتے ہیں اور ہلکے رنگ کی سطح پر کالے رنگ کا پاؤڈر استعمال ہوتا ہے۔ اس پاؤڈر کے چھڑکاؤ کے بعد ایک خاص قسم کے برش سے صاف کر لیتے ہیں تو اُنکی کا نشان باقی رہتا ہے اور پاؤڈر اڑ جاتا ہے۔ اس نشان پر خاص ٹیپ چپکانے سے وہ نشان ٹیپ پر آ جاتا ہے اور پھر آسانی سے جہاں چاہیں اسے لے جاسکتے ہیں۔

اُنگیوں کے نشانات کا یہ نمونہ سب سے پہلے محکمہ پولیس کے اس شعبے میں بھیجا جاتا ہے، جہاں مجرموں کی اُنگیوں کے نشانات کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ وہاں معلوم ہو جاتا ہے کہ واردات والی جگہ سے اُنگیوں کے جو نمونے حاصل کیے گئے ہیں، وہ کس مجرم کے ہیں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد قانون نافذ کرنے والے ادارے یعنی پولیس اور خفیہ ادارے بہت جلد مجرم کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ واردات کی جگہ سے حاصل کیے گئے نشانات پولیس ہیڈ کوارٹر میں موجود نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہی نمونے دوسرے شہروں کی پولیس کو بھیجے جاتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہاں اس قسم کا کوئی نمونہ موجود ہے یا نہیں۔ اس سے یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ مجرم کس شہر کا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص پہلی مرتبہ کوئی جرم کرتا ہے۔ اس صورت میں اس کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر کے رکارڈ میں محفوظ کر دیے جاتے ہیں۔ شناختی کارڈ بنانے والے ادارے سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

واردات کی جگہ سے مجرم کی صحیح طور پر نشان دہی ہوتی ہے۔ کبھی انگلیوں کے نشان کی صورت میں اور کبھی پاؤں یا جوتے کے نشان سے ہوتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مجرم کس طرح چلتا ہے۔ اس کے پیر میں کوئی نقص تو نہیں یا وہ کسی پیر پر وزن ڈال کر چلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مائیکرو اسکوپ سے بھی جرم کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ یہ ایسی دوربین ہوتی ہے جس میں تمام دستاویز صاف اور واضح نظر آتی ہے اور جو عبارت ایک نظر میں بار بار دیکھنے پر ایک جیسی نظر آتی ہے، اس کی بدولت واضح فرق نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ جعلی دستخط کرتے وقت اصلی دستخطوں کی طرح قلم نہیں چلتا، بلکہ کہیں رکتا ہے یا اور کوئی فرق ہوتا ہے تو اس آلے کی مدد سے اس کی نشان دہی ہو جاتی ہے کہ اصلی دستخط کون سے ہیں اور نقلی کون سے ہیں۔ یقیناً اب آپ کو پتا چل گیا ہوگا کہ مجرم کس طرح پکڑا جاتا ہے۔



یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ مارچ ۲۰۱۵ء

کے بارے میں ہیں

آدھی ملاقات

ہیں۔ بلا عنوان کہانی (انور فرہاد) اس شمارے کی سب سے بہترین تحریر ہے۔ حسن رضا سردار، حلیمہ نشان، خدیجہ نشان، نفیسہ فاطمہ قادری، کاموگی۔

مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ انکل! کہانی یا مضمون ایک لائن چھوڑ کر لکھنا کیوں ضروری ہے؟ یہ تو فضول خرچی ہے۔ احرار حسن قریشی، نواب شاہ۔

بعض نونہالوں کی تحریروں کی اصلاح کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے ایک سطر چھوڑ کر اور کاغذ کے ایک طرف لکھنا ضروری ہے۔

اس مہینے کا شمارہ بہت اچھا، بلکہ اپنی مثال آپ تھا۔ پہلی بات پڑھ کر بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ جمعراتی اور سکون کی تلاش کہانیاں پڑھ کر مزہ آیا۔ اپنی کلہاڑی اپنا پاؤں اور ہنسی گھر پڑھ کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ بلا عنوان کہانی بھی سپر ہٹ تھی۔ نام نام معلوم، بلند یہ ٹاؤن۔

اس بار کا ہمدرد نونہال زبردست تھا۔ کہانیوں میں اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں سب سے اچھی لگی۔ تین نصیحتیں بھی اچھی تھیں۔ نونہال ادیب بہت اچھا لگا۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ بے جان چیزوں کے احساسات اچھا لگا۔ علی حمزہ، کراچی۔

گلستان نونہال میں تمام پیڑ پودوں، پھولوں اور پھلوں کو بہار میں ڈوبا پایا۔ تلیوں کی مدد ہوشی بھی خوب اچھی لگی اور نونہال نے لبوں پر تبسم بکھیر دیا۔ یہ بات سچ ہے کہ نونہال پر بہار زوروں پر تھی۔ تمام حکایتیں

اس بار کا ہمدرد نونہال امید سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا اور پہلی بات بھی بہت اچھی تھی۔ اس بار کے روشن خیالات بہت اچھے تھے۔ سکون کی تلاش، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، تین نصیحتیں بہترین کہانیاں تھیں، لیکن منی آرڈر اچھی نہیں لگی۔ مسکراتی لکیریں کچھ خاص نہیں تھی۔ باقی تحریریں زبردست تھیں۔ اولیس علی، کراچی۔

مارچ کا شمارہ بہت ہی عمدہ تھا۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ بس ”آئیے مصوری سیکھیں“ کی کمی تھی۔ نونہال بک کلب کا ممبر بننے کے لیے لکھا تھا۔ مجھے ابھی تک کارڈ نہیں ملا۔ ویپاکھتری اوم پرکاش، میرپور خاص۔

بک کلب کا کارڈ بھجوا دیا تھا۔ اب تک مل گیا ہوگا۔ اس خط میں آپ نے اپنا پورا پتا نہیں لکھا۔ اگر کارڈ نہ ملا ہو تو اپنا مکمل پتا لکھیے۔

کہانیاں ساری کی ساری بہترین تھیں، لا جواب تھیں۔ آرٹ گیلری رسالے میں ایک ماہتاب کی طرح تھی۔ لطیفے اس بار اچھے اور نایاب تھے۔ عروج رانا، امن رانا، ارفع رانا، شیخوپورہ۔

مارچ کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور حمد باری تعالیٰ سے ابتدا کی۔ نعت رسول مقبول کی کمی محسوس ہوئی۔ جمعراتی ناقابل فراموش تحریر ہے۔ سکون کی تلاش، منی آرڈر، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں اور تین نصیحتیں بہترین کہانیاں

دل چسپ ترین تھیں۔ اُسامہ ظفر راجا، جہلم۔

✽ مارچ کا شمارہ بے حد اچھا تھا۔ پہلے نمبر پر بلا عنوان کہانی بہت پسند آئی۔ ہنسی گھر بھی بہترین تھا، پڑھ کر لطف آیا۔ نونہال مصور کی مصوری پہلے سے اچھی تھی۔ نظموں میں ”کہانی“ بچے کی زبانی، یوم پاکستان اور حمد“ لاجواب تھیں۔ کہانیوں میں ”سکون کی تلاش اور تین نصیحتیں پسند آئیں، پڑھ کر اچھا لگا۔ نونہال خبر نامے میں پہلے سے بہتر معلومات دی جاتی ہے۔ جاگو جگاؤ میں تمام نونہال تو شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ میں کوئی نظم یا کوئی تحریر وغیرہ بھیجتا ہوں تو وہ چھپتی نہیں ہیں؟ محمد جہانگیر عباس جوئیہ، کراچی۔

مارچ ۲۰۱۵ء کے شمارے کا صفحہ ۷۶ غور سے پڑھ لیں تو آپ کے سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔

✽ اسکول سے گھر پہنچا تو ڈاک میری منتظر تھی۔ لفافہ کھولا تو اس میں مارچ کا شمارہ اور محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کا دستخط کیا ہوا خط ملا۔ ساتھ میں شہید حکیم محمد سعید کی ایک چھوٹی سی کتاب بھی تحفے میں ملی تھی۔ شمارے میں اپنی کہانی پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ کہانی شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔ بلال سہیل، کراچی۔

✽ یوں تو ہر دفعہ ہی ”ہمدرد نونہال“ لاجواب ہوا کرتا ہے، مگر اس دفعہ آپ کی ”جمعراتی“ سمعیہ غفار صاحبہ کی ”منی آرڈر اور زلفی صاحب کی گفتگو نے شمارے کو حقیقتاً چار چاند لگا دیے تھے۔ کہانی اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں خواب غفلت سے بیدار کرنے میں کامیاب رہی۔ نئی نئی مسکراہٹیں بھی ملیں۔ محمد قمر الزماں، خوشاب۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں سب سے بہترین سکون کی تلاش (وقار محسن) کی لگی۔ اس کے بعد منی آرڈر (سمعیہ غفار میمن) اور تین نصیحتیں (انوار آس محمد) کا نمبر رہا۔ نظموں میں بچے کی زبانی بہترین تھی۔ غرض پورے شمارے کا لفظ لفظ پڑھنے کے لائق تھا۔ صالحہ کریم، کراچی۔

✽ ہمیشہ کی طرح مارچ کا جاگو جگاؤ اور پہلی بات دل پر اثر کر گیا۔ ہم ان شاء اللہ پاکستان کو بہت پیارا بنائیں گے۔ ورزش ضروری ہے، شہری دفاع اور سبز ہلالی پرچم معلوماتی مضمون تھے۔ جمعراتی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ سکون کی تلاش، منی آرڈر، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، تین نصیحتیں اور بلا عنوان کہانی اچھی تھی۔ بے جان چیزوں کے احساسات پڑھ کر حیرانی ہوئی۔ کہانی سبق اور نظم یوم پاکستان اچھی لگی۔ تسلیم الہی زلفی کی گفتگو اچھی لگی۔ آمنہ، عائشہ، سمعیہ، ہانیہ، کراچی۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ اس ماہ کی تمام کاوشیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ خاص کر تین نصیحتیں (انوار آس محمد) بہت اچھی سبق آموز کہانی تھی۔ منی آرڈر (سمعیہ غفار میمن) بھی ایک شان دار کہانی تھی۔ اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں (محمد طارق)، سکون کی تلاش (وقار محسن)، بلا عنوان کہانی (انور فرہاد) اور سبق (جاوید اقبال)، یعنی تقریباً تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ سبز ہلالی پرچم (ام عادل)، شہری دفاع (نسرین شاہین) اور ورزش ضروری ہے (ڈاکٹر سید اسلم) اچھی تحریریں تھیں۔ کوئل قاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی۔

نصیحتیں تو سب سے زیادہ نمبر لے گئی۔ بلا عنوان کہانی بہت اچھی لگی اور انکل! ہنسی گھر پڑھ کر ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔ شمسہ نورین، گجرات۔

✽ مارچ کا شمارہ پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا۔ اس شمارے میں اپنی شاعری دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اولیس نورال گڈانی، میرپور ماٹھیلو۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں سب سے اچھی کہانی لگی۔ ہمدرد نو نہال ہماری تربیت بہت اچھے طریقے سے کر رہا ہے۔ بشری رانا، شیخوپورہ۔

✽ میں ہمدرد نو نہال کی بہت پرانی قاریہ ہوں۔ یہ رسالہ مجھے بے حد پسند ہے۔ اس میں ہر طرح کی تحریریں ہوتی ہیں۔ نو نہال بہت عرصے پہلے سے پڑھتی آرہی ہوں، لیکن یہ میرا پہلا خط ہے۔ ثمن عمران، کراچی۔

✽ ہمدرد نو نہال بہت اچھا رسالہ ہے۔ ساری کہانیاں اچھی لگیں۔ کہانی منی آرڈر سبق آموز تھی۔ نو نہال ادیب کی کہانیوں میں عقل مند کسان (یسری حبیب) اچھی لگی، ایان میاں کا وعدہ (غزہ راؤ) بھی اچھی کہانی تھی اور جیمس کی توبہ بھی اچھی کاوش تھی۔ باقی کہانیوں میں جمعاتی، تین نصیحتیں، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، سکون کی تلاش اور مضمون ورزش سے کئی سبق ملے۔ عالیہ حبیب ذوالفقار، نامہ حبیب ذوالفقار، کراچی۔

✽ مارچ کا شمارہ دل چسپ تھا۔ کہانیوں میں جمعاتی، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، تین نصیحتیں، بلا عنوان اور سکون کی تلاش اچھی لگیں۔ منی آرڈر بھی اچھی کہانی

✽ مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا، کہانیوں میں اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں اور بلا عنوان ٹاپ پر تھیں۔ اُمیہ محمد شاہد امین قریشی، نواب شاہ۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ تین نصیحتیں سبق آموز تھی۔ بلا عنوان کہانی بھی زبردست تھی۔ اس مہینے کا خیال بھی عمدہ تھا۔ کیا معلومات افزا کے جوابات رسالے میں ہی ہوتے ہیں؟ ”اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں“ عمدہ کہانی تھی۔ اس کے علاوہ منی آرڈر، سکون کی تلاش، جمعاتی، ہنسی گھر، روشن خیالات، مسکراتی لکیریں بہت اچھی تھیں۔ نو نہال لغت سے بہت سے مشکل الفاظ کے معنی پتا چل جاتے ہیں۔ مجھے سب کتابوں اور رسالوں میں سب سے اچھا اور عمدہ ہمدرد نو نہال لگتا ہے۔ جب میں تنہا اور اُداس ہوتی ہوں تو میرا سب سے اچھا اور بہترین ساتھی یہی ہوتا ہے۔ اس دفعہ ”آئیے مسوری سیکھیں“ نہیں تھی۔ نام پتا نامعلوم۔

معلومات افزا کے جوابات ہمدرد نو نہال میں ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں ہر سوال کا جواب ہو۔ معلوماتی اور تاریخی تحریریں بھی پڑھا کریں۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا، مگر سردرق نے مزہ خراب کر دیا۔ لوال فاطمہ، نواب شاہ۔

✽ مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا، لیکن سردرق بالکل اچھا نہیں لگا۔ کہانیوں میں جمعاتی، سکون کی تلاش، منی آرڈر، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں ٹاپ پر تھیں۔ ایمان عائشہ، نواب شاہ۔

✽ ہر شمارے کی طرح مارچ کا شمارہ بھی بہت اچھا لگا۔ جمعاتی، منی آرڈر، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، تین

میں ہمدردی و نونہال آج تک بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ تحریریں اب بھی بہت معیاری اور اعلا ہوتی ہیں۔ میں فیس بک پر بھی ہمدردی و نونہال دیکھتی ہوں۔ نام نامعلوم، لیاقت آباد ٹاؤن، کراچی۔

مارچ کا شمارہ دل چسپ تھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ مضمون سارے اچھے تھے۔ کہانیوں میں جمعداتی (مسعود احمد برکاتی)، منی آرڈر (سمعیہ غفار میمن)، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں (محمد طارق)، تین نصیحتیں (انوار آس محمد)، بلا عنوان کہانی (انور فرہاد) اور سکون کی تلاش (وقار محسن) وغیرہ سب اچھی تھیں۔ نونہال ادیب اور علم درستی بھی اچھے تھے۔ لطیفے بھی زبردست تھے۔ میری لکھائی کیسی ہے؟ محمد شیراز انصاری، کراچی۔

تمہارا خط اچھا ہے اور اچھا کریں، زیادہ سے زیادہ لکھیں۔

سرورق بس ٹھیک تھا۔ بلا عنوان کہانی اور جمعداتی سب سے اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں بھی ایک سبق آموز تحریر تھی۔ نونہال ناصر، فیصل آباد۔

مارچ کا شمارہ بھی ہر لحاظ سے بہت خوب صورت تھا۔ اس کی ہر تحریر بہت عمدہ تھی۔ نمبرون کہانی ”اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں“ تھی۔ یہ کہانی بہت سبق آموز تھی۔ اس سے ہم سب نونہالوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ کرن فدا حسین، کراچی۔

اس شمارے کی ہر تحریر دل چسپ ہے۔ ”بے جان چیزوں کے احساسات“ واقعی تحسین کے لائق تحریر ہے۔ بلا عنوان کہانی (انور فرہاد) میں اس طرح انسانیت کا سبق پڑھانے کا طریقہ بہت اچھا لگا۔ اس

تھی۔ ہنسی گھر کے لطیفے، بیت بازی کے اشعار، نونہال ادیب کی کہانیاں اور علم درستی اچھے سلسلے ہیں۔ نظموں میں حمد باری تعالیٰ (عمران فائق)، ایک سبق (ضیاء الحسن ضیا)، یوم پاکستان اور کہانی۔ بچے کی زبانی (شاعر لکھنوی) اچھی اور سبق آموز نظمیں تھیں۔ حافیہ بہت ذوالفقار، زمیر بن ذوالفقار، کراچی۔

مارچ کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو خوشی کی ایک لہر ہمارے چہروں پر بکھر گئی۔ جاگو جگاؤ میں شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں واقعی یاد رکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ جوان باتوں پر عمل کرے وہ ایک اچھا انسان اور ایک اچھا شہری بن سکتا ہے۔ مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات اور اس مہینے کا خیال بہت ہی سبق آموز تھا۔ ڈاکٹر سید اسلم کی تحریر ”ورزش ضروری ہے“ پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ جمعداتی، منی آرڈر، اور تین نصیحتیں اے ون کہانیاں تھیں۔ مزاحیہ تحریر ”سکون کی تلاش“ پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا۔ اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں اور بلا عنوان کہانی بہت ہی زبردست تھی۔ نظموں میں سب سے اچھی نظم ”کہانی۔ بچے کی زبانی“ بہت بہت پسند آئی اور ”بس تم سچ ہی بولو، یوم پاکستان، ایک سبق“ بہت اچھی نظمیں تھیں۔ ہنسی گھر کی تو بات ہی کیا ہے، وہ تو بہت خوب تھا۔ مہناز محمد رمضان مغل، نواب شاہ۔

کہانیوں میں جمعداتی، تین نصیحتیں، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، منی آرڈر، سکون کی تلاش اور سبق بہترین کہانیاں تھیں۔ نظم ”یوم پاکستان“ ٹاپ پر تھی۔ مضامین سارے اچھے تھے۔ محمد فلیب، بہاول پور۔

کے علاوہ ڈاکٹر سید اسلم نے بھی بہت اچھے موضوع پر لکھا۔ مشعل نایاب بہت زاہد شاہ، کراچی۔

ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ بہت زبردست ہوتا ہے۔ کہانیوں میں وطن کی مٹی، صدر صاحب، جھوٹے نواب، اچھی تھیں۔ توقیر، میر پور خاص۔

مارچ کا شمارہ بہت خوب تھا۔ سرورق یوم پاکستان کے حوالے سے بہت اچھا لگا۔ کہانیاں ساری اچھی تھیں خاص طور پر ”سکون کی تلاش، جمعراتی، سبق، منی آرڈر اور اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں“ بہت اچھی لگیں۔ نظمیں بھی ساری اچھی تھیں۔ بلا عنوان کہانی اس بار خاص نہیں تھی۔ طارق محمود کھوسو، کشمور۔

اس دفعہ ساری کہانیاں لا جواب تھیں، لیکن تین نصیحتیں بہت اچھی تخلیق تھی۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ انکل! آپ کوئی نیا انعامی سلسلہ بھی شروع کر دیں۔ سید محمد موسیٰ، کراچی۔

ہمدرد نونہال ایک بہت اچھی ”کتاب“ ہے، جسے پڑھ کر ہم سب بچے بہت کچھ سیکھ رہے ہیں۔ اس کی کہانیاں سبق آموز ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ نونہال ادیب، مسکراتی لکیریں، پہلی بات، جاگو جگاؤ بھی پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ تصویر خانہ میں میرے تمام ساتھیوں کی تصویریں بہت اچھی لگیں اور سرورق تو بہترین تھا۔ نور قاطمہ، کراچی۔

ہمدرد نونہال کا خوب صورت شمارہ مارچ پڑھ کر بہت خوش ہوئی۔ سب کہانیاں ہی زبردست تھیں۔ جب تک پورا رسالہ پڑھ کر ختم نہ کر لیں، چین نہیں ملتا۔ پیاری نصیحتیں تو لکھنے کے قابل ہوتی ہیں، جنہیں اپنی

ڈائری کی زینت بنا لیتے ہیں۔ منی آرڈر، سکون کی تلاش، شہری دفاع، تین نصیحتیں سبق آموز کہانیاں تھیں۔ شمارہ ہر لحاظ سے مکمل ہے، جس میں ہمیں اپنے ذوق کے مطابق ہر چیز پڑھنے کو مل جاتی ہے۔ عبد الجبار رومی انصاری، لاہور۔

ماہ مارچ کا شمارہ بھی خوب، بلکہ بہت خوب لگا۔ پڑھ کر علم میں مزید اضافہ ہوا۔ کبھی کہانیاں بہترین اور سلسلے بے نظیر تھے۔ انکل! میں نونہال بک کلب کا ممبر بننے کا خواہش مند ہوں۔ شبیر احمد، تربت۔

چا لکھ لیا ہے۔ بک کلب کا کارڈ آپ کو مل جائے گا۔

مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سکون کی تلاش اور تین نصیحتیں کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ بلا عنوان کہانی اتنی اچھی نہیں تھی۔ منی گھر کے لطیفے کافی اچھے تھے۔ کہانی بچے کی زبانی (لظم) بہت اچھی تھی۔ حمید باری تعالیٰ بہت زبردست تھی۔ انصاری محمد جاوید انصاری، ساگمڑ۔

”جمعراتی“ کہانی پڑھ کر دل بھر آیا۔ فقیر دل کا بھی فقیر نکلا۔ ”ایک سبق“ بھی بہت خوب تھی۔ ”سکون کی تلاش“ وقار محسن کی نمبر دن تحریر تھی۔ حکیم صاحب نے اے دن علاج کیا۔ ”منی آرڈر“ تڑپاتی تحریر تھی۔ ”معلومات ہی معلومات“ معلوماتی تحریر تھی۔ کہانی اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں محمد طارق نے خوب لکھی۔ ادیبہ نور، نواب شاہ۔

مارچ کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ ساری کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ سکون کی تلاش، اپنی کلہاڑی، اپنا پاؤں، تین نصیحتیں اچھی اور سبق آموز تھیں اور بلا عنوان کہانی بھی اچھی تھی۔ مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔

جوابات معلومات افزا - ۲۳۱

سوالات مارچ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئے تھے

مارچ ۲۰۱۵ء میں معلومات افزا - ۲۳۱ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نو نہالوں کی تعداد صرف ۱۶ تھی، اس لیے ان سب نو نہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نو نہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

- ۱۔ حضور اکرمؐ کے زمانے میں خسرو پردیز ایران کا بادشاہ تھا۔
- ۲۔ یرد شلم عبرانی زبان میں بیت المقدس کو کہتے ہیں۔
- ۳۔ ابن بیطار مشہور مسلمان ماہر نباتیات تھے۔
- ۴۔ ۲۶ جولائی ۱۹۳۳ء کو قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔
- ۵۔ مشہور کتاب ”ظہور پاکستان“ چودھری محمد علی کی تصنیف ہے۔
- ۶۔ پاکستان کی مشہور جھیل ”حنا“ کوئٹہ میں واقع ہے۔
- ۷۔ قائد اعظم نے کراچی کو پاکستان کا دار الحکومت بنانے کا حکم (آرڈیننس) ۲۲ جولائی ۱۹۳۸ء کو جاری کیا تھا۔
- ۸۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے سر ظفر اللہ خاں عالمی عدالت کے جج مقرر ہوئے تھے۔
- ۹۔ آم کی ایک قسم ”لنگڑا“ کہلاتی ہے۔
- ۱۰۔ ”خامہ“ فارسی زبان میں قلم کو کہتے ہیں۔
- ۱۱۔ مرنج کا ایک دن ۲۴ گھنٹے اور ۳۸ منٹ کا ہوتا ہے۔
- ۱۲۔ ”موغادیشو“ صومالیہ کا دار الحکومت ہے۔
- ۱۳۔ سب سے ہلکی گیس ہائیڈروجن ہے۔
- ۱۴۔ دنیا کی سب سے لمبی دیوار ”دیوار چین“ ہے۔
- ۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: ”تین میں نہ تیرہ میں“ ہے۔
- ۱۶۔ جگر مراد آبادی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

جہل خرد نے دن یہ دکھائے گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے

۱۶ درست جوابات دے کر انعام پانے والے کامیاب نونہال

☆ کراچی: عبدالرحمن اظفر، صالحہ کریم، ارینا آفتاب، سید عفتان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، منیزہ خان، بلال خان، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، صالحہ فاطمہ شیروانی، تحریم خان۔

☆ بہاول نگر: عروۃ الوثقی جاوید انصاری، قرۃ العین اسلم۔

☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصورى ☆ ڈیرہ غازی خان: فرح سراج۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھدار نونہال

☆ کراچی: حسن شہاب صدیقی، ناعمہ تحریم، آمنہ عمران خان، فصل وود خان، طلحہ سلطان شمشیر علی، محمد اختر حیات، معین الدین غوری، احسن محمد اشرف، حماد عاصم، مزنا ضیا، عائشہ ثمنین، شاہ محمد ازہر عالم، محمد انس حمید، سید احمر وقار، خضریٰ بتول ☆ چامشورو: حافظ معصب سعید، حافظ عمر سعید ☆ پشاور: حانیہ شہزاد، مریم طاہر ☆ راولپنڈی: محمد اسماعیل، محمد ارسلان ساجد ☆ حیدرآباد: ماہ رخ، حیان کاشف، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ بہاول پور: ایمن نور، احمد ارسلان، صباحت گل، قرۃ العین عینی ☆ خانیوال: احمد ابراہیم حسین ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ اٹک: عبیرہ عدیل ☆ کشمور: طارق محمود ☆ لاہور: عبدالجبار رومی انصاری ☆ ٹھارو شاہ: ریان آصف خانزادہ راجپوت ☆ لاڑکانہ: معتبر خان ابڑو ☆ تلہ گنگ: بشریٰ صفدر ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ جہلم: محمد افضل ☆ سکر ٹڈ: منور سعید خانزادہ راجپوت ☆ پٹاناکمل: محمد توصیف صابر۔

۱۳ درست جوابات بھیجئے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: سیدہ راضیہ فاطمہ احمد حسنی، عبدالکریم عدنان، محمد عمر حیات، کوئل فاطمہ اللہ بخش،
رہیشہ زینب عمران حسین، مریم سہیل، آمنہ شفیق، فہد فدا حسین، محمد آصف انصاری ☆ ساکھڑ:
اقصی جاوید انصاری ☆ شیخو پورہ: محمد احسان الحسن ☆ کشمور: سیف اللہ کھوسو بلوچ
☆ راولپنڈی: حفصہ کامران ☆ پشاور: محمد حیان ☆ اٹک: فاطمہ شہباز ☆ میرپور خاص: عائشہ
مہک ☆ حیدرآباد: محمد عاشر راحیل ☆ کوٹلی: شہریار احمد چغتائی ☆ فیصل آباد: محمد اداب کمبوہ۔

۱۳ درست جوابات بھیجئے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: جلال الدین اسد، محمد عثمان خان، صفی اللہ بن امین اللہ، فضل قیوم خان، علی حسن محمد نواز،
کامران گل آفریدی، جویریہ عبد المجید، اسماء زیب عباسی، محمد شیراز انصاری، محمد معصب علی، زین علی،
محمد اویس محمود ☆ کاموکی: خدیجہ نشان، حسن رضا سردار، محمد حسنا حمید ☆ سکھر: فلز امہر، سدرۃ المنتہی
تسلیم احمد ☆ کھوکی: حسن علی آرائیں، سرفراز احمد ☆ لاہور: امتیاز علی ناز، انشرح خالد بٹ
☆ حیدرآباد: عمر بن حزب اللہ بلوچ ☆ فیصل آباد: زینب ناصر ☆ نواب شاہ: مریم عبدالسلام شیخ۔
☆ کراچی: انوشہ زاہد، سندس آسیہ، فوزان اظہر، زبیر ذوالفقار ☆ کاموکی: نفیسہ فاطمہ

۱۲ درست جوابات بھیجئے والے پُر امید نونہال

قادری، حلیمہ نشان ☆ لیاقت پور: کنز اسمیل ☆ میانوالی: اسفر علی خان ☆ راولپنڈی: ربیعہ
مریم ☆ میرپور خاص: مظفر احمد شیخ کیلانی ☆ حیدرآباد: نسرین فاطمہ ☆ شیخو پورہ: بشری رانا۔

۱۱ درست جوابات بھیجئے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: بہادر، طاہر مقصود، اسد اللہ، محمد ارسل ☆ واہ کینٹ: محمد عبداللہ خالد ☆ جلال پور
☆ جٹاں: سیدہ سدرہ الیاس۔

جھے مشہور ادیبوں کی دل چسپ اور حیرت انگیز کہانیاں

ننھا سراغ رساں

ننھے سراغ رساں کی عقل مندی، جنگی قیدیوں کا سرنگ بنا کر فرار،
شیر کے پیٹ میں چھپے ہوئے جواہر کا کھوج، ڈاکا دالنے کے لیے ہوائی جہاز کا اغوا
اور دوسری زوردار کہانیوں نے کتاب کو بہت دل چسپ بنا دیا ہے۔ پڑھ کر لطف اٹھائیں۔
نئی کمپوزنگ، نئے ٹائٹل کے ساتھ چھٹا ایڈیشن

صفحات : ۸۰ قیمت : ۸۰ روپے

مشہور ادیب اشرف صہجی کی انوکھی کتاب

کہاوتیں اور ان کی کہانیاں

ہر کہاوت کے پیچھے کوئی نہ کوئی دل چسپ اور سبق آموز کہانی ہوتی ہے۔ اس کہانی سے
کہاوت کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے اور ہم اپنی زندگی میں بھی اسے استعمال کر کے لطف
اٹھا سکتے ہیں۔

اشرف صہجی دہلوی مرحوم نے ایسی ۳۵ کہاوتیں منتخب کر کے ہر کہاوت کے ساتھ ایک کہانی لکھ دی ہے،

۳۵ کہاوتوں کے ساتھ ۳۵ کہانیاں

معلومات بھی حاصل کیجیے اور مزے دار کہانیاں بھی پڑھیے

خوب صورت رنگین ٹائٹل صفحات : ۳۶ قیمت : ۴۰ روپے

بہارِ وفا پبلیکیشنز پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

بلا عنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نو نہال مارچ ۲۰۱۵ء میں جناب انور فرہاد کی بلا عنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین کے بجائے چار بہترین عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف جگہوں سے پانچ نو نہالوں نے ارسال کیے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ جانوروں میں انسانیت : (۱) مصامص شمشاد غوری، کراچی
(۲) عفت سراج، ڈیرہ غازی خان

۲۔ جانوروں کا ایثار : بدالجبار رومی انصاری، لاہور

۳۔ دوسرا پہلو : ساجد گل، بہاول پور

۴۔ بے زبان ہمدرد : سراج خان، پشاور

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات ﴾

محبت کی جیت۔ اک سبق محبت کا۔ بے غرض رشتہ۔ محبتوں کے سفیر۔

پہنچی وہیں پہ خاک۔ جانور بنا انسان۔ جنگل بوائے۔

ان نو نہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: محمد شافع، اریبہ کنول، سید محمد موسیٰ، حسن رضا قادری، محمد جہانگیر عباس

جوسیہ، زہیر ذوالفقار، طلحہ بن عابد، عبدالکریم عدنان، وجیہ زہیر، آصف احمد، فوزان

اظہر، خضریٰ بتول، محمد ارسل، صالحہ فاطمہ شیروانی، ناعمہ تحریم، عبدالودود، کنول فدا

حسین، محمد انس حمید، مشعل نایاب، ایمن صدیقی، اسامہ راشد، محمد اختر، صدف
 آسیہ، عبدالرحمن اظفر، آمنہ عزی، تحریم خان، شاہ بشری عالم، زینب امبرین، زہرہ
 شفیق، سیدہ باذل علی اظہر، سید شہنظل علی اظہر، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ
 جاوید، اسماء کریم، زین علی، تابندہ آفتاب، مریم سہیل، طلحہ عرفان، سیدہ مریم
 محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، شازیہ انصاری، مریم رحیم، فضا بی بی اختر حسین،
 عبدالرحمن فرید، فروا فراز، رمیشہ زینب عمران حسین، مریم بنت علی، مزنا ضیا، اسد
 اللہ، نور فاطمہ، انعم خان، محمد شیراز انصاری، علینا اختر، اسماء زینب عباسی، اولیس
 غفور، کوئل فاطمہ اللہ بخش، مریم عامر، جویریہ عبدالمجید، عبدالحنان زاہد محمود،
 عبدالوہاب زاہد محمود، یسری حبیب، فریال زاہد، معین الدین غوری، بہادر، احسن محمد
 الرحمن، احمد رضا، طاہر مقصود، فضل قیوم خان، عمر حیات، محمد عثمان خاں، صفی اللہ،
 رضوان ملک، احمد حسین، علی حسن محمد نواز، کامران گل آفریدی، جلال الدین اسد،
 محمد اختر حیات، طلحہ سلطان شمشیر علی، فضل وودود خان، بلال خان، احتشام شاہ فیصل،
 آمنہ عمران خان ☆ حیدر آباد: حافظ محمد طلحہ، انوشہ بانو سلیم الدین، آفاق اللہ خاں،
 صبا سعید، اسماء شبیر احمد صدیقی، مریم کاشف، ماہ رخ، شیرونہ ثنا، عائشہ ایمن عبداللہ،
 رطاب نعیم راؤ ☆ لاہور: انشرح خالد بٹ، سمیع اللہ، امتیاز علی ناز، فرید مرتضیٰ،
 عائشہ مجید ☆ میرپور خاص: فریحہ فاطمہ، دیپاکھتری اوم پرکاش، توقیر، مظفر احمد
 شیخ، فیروز احمد، سعد زاہد، حرمود احمد ☆ بہاول پور: قرۃ العین عینی، احمد ارسلان،

ایمن نور، محمد شکیب مسرت ☆ نواب شاہ: احرار حسن، مہناز محمد رمضان مغل، مریم
 عبدالسلام شیخ ☆ کاموکی: حسن رضا سردار، حلیمہ نشان، خدیجہ نشان، نفیسہ فاطمہ
 قادری، محمد حسنا تمید ☆ سکھر: ربیعہ نور تسنیم احمد، طلحہ احمد صدیقی، فلزا مہر
 ☆ ساٹکھڑ: علیزہ ناز منصوری، اقصیٰ جاوید انصاری، علیزہ رمضان قائم خانی
 ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ ملتان: ایمن فاطمہ، محمد اسید خالد ☆ فیصل آباد: تحریم خالد
 محمود اختر، زینب ناصر ☆ نوشہرہ و فیروز: امتل دعا، شایان آصف خانزادہ راجپوت
 ☆ بہاول نگر: عروۃ الوثقیٰ جاوید انصاری، مریم اسلم ☆ کھوسکی: حسن علی آرائیں،
 سرفراز احمد ☆ اٹک: سیدہ سدرہ بتول ☆ لہیلا: محمد الیاس چنا، حدیقہ ناز
 ☆ جامشورو: مصعب سعید، عمر سعید ☆ راولپنڈی: سائرہ مریم، محمد مجتبیٰ اسلم
 ☆ کشمور: طارق محمود، سیف اللہ بلوچ ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ ٹوبہ ٹیک
 سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ لیاقت پور: کنزا سہیل ☆ تلہ گنگ: بشریٰ صفدر ☆ مرید
 کے: عروج رانا ☆ لاڑکانہ: معتبر خان ابڑو ☆ میانوالی: اسفر علی خان ☆ بورے
 والا: عائشہ شہباز ☆ خوشاب: محمد قرانزماں ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر
 ☆ کھاریاں: شمسہ نورین ☆ کمالیہ: حافظ محمد عادل نوید ☆ کوٹلی: محمد جواد چغتائی
 ☆ خیر پور: رضا المصطفیٰ ☆ سکرنڈ: منور سعید خانزادہ راجپوت ☆ تربت: شبیر احمد
 ☆ ساہیوال: اصفیٰ بتول ☆ پٹاناکمل: محمد توصیف صابر، سدرہ محسن۔



نو نہال لغت

[illegible]

عصیاں	عِصْیاں	نافرمانی۔ گناہ۔ خطا۔
کمر بستہ	کَم دَب شَتَہ	آمادہ۔ تیار۔ مستعد۔
علامت	عَلاَمَت	نشان۔ داغ۔ نقش۔ پہچان۔
فراست	فِرَاسَت	دانائی۔ عقل مندی۔ سمجھ داری۔
دہنی	دَہِنی	خوش قسمت۔ مال دار۔ دولت مند۔ آقا۔
راستی	رَاسِتِی	نیکی۔ سچائی۔ نرمی۔ درستی۔
مُستند	مُتَنَد	تیز۔ سخت۔ کڑوا۔ غصیلا۔
اَمَر	اَمَر	نہ مرنے والا۔ غیر فانی۔ ہمیشہ رہنے والا۔ لازوال۔
اَمَر	اَمَر	حکم۔ کام۔ معاملہ۔ اجازت۔
دیدنی	دِیدنی	دیکھنے کے قابل۔ قابلِ اِستِظار۔
داعی	دَاعِی	بلائے والا۔ دعا کر۔ دعا گو۔
تَخیر	تَخیر	تالیع کرنا۔ فرماں بردار۔ قابو میں کرنا۔ محاصرہ کرنا۔
مُحال	مُحَال	مشکل۔ دشوار۔ ناممکن۔ ہونی۔
نمودار	نَمُوْدَا ر	عمیاں۔ ظاہر۔ آشکار۔ واضح۔
بے ریا	بے رِیا	مخلص۔ صاف باطن۔ جس میں ظاہر داری نہ ہو۔
حُب	حُب	محبت۔ الفت۔ اُنس۔ پیار۔
حَب	حَب	گولی۔ دانہ۔ بیج۔
بیگانہ	بے گَا نہ	غیر۔ پرایا۔ دوسرے کا۔ اجنبی۔ ناواقف۔